عمیرہ احمد

آبِ حیات

آب حیات کی کہانی تاش کے تیرہ پتوں میں چھپی ہوئی ہے۔

2۔ ایک خوب صورت اتفاق نے امامہ اور سالار کو یکجا کردیا ہے۔ سالار نے امامہ کو ایر رنگز دیے ہیں۔ وہ بالکل ویسے ہی ہیں، جیسے امامہ شادی سے قبل پہنتی تھی اور جو اسے اس کے والد ہاشم نے دیے تھے۔ سکندر عثمان نے اس شادی کو کھلے دل سے قبول کیا۔

9۔ سی آئی اے ہیڈ کوارٹرز کے ایک کمرے میں چار اشخاص گزشتہ ڈیڑھ ماہ سے ایک پروجیکٹ پر کام کررہے ہیں۔ انہیں ایک شخص بلکہ اس کی پوری فیملی کے تمام بیرونی معاملات اور ذاتی زندگی کی تمام تر مکمل معلومات حاصل ہیں اور انہیں اس میں سے کسی ایسے پوائنٹ کی ضرورت ہے۔ جس کی بنیاد پر وہ اس شخص پر ہاتھ ڈال سکیں۔ لیکن اس شخص ــ سمیت اس کی فیملی کے نہایت شفاف ریکارڈ سے اب تک کوئی مشکوک بات نہیں نکال سکے مگر آخری پندرہ منٹ میں انہیں اس فیملی کی کسی لڑکی کی تاریخ پیدائش کے حوالے سے کوئی سرا مل جاتا ہے۔

ل۔ وہ کئی راتوں سے تکلیف میں تھی۔ سکون آور ادویات کے بغیر سو نہیں پارہی تھی۔ وہ اپنے باپ سے بس ایک سوال کرنے آئی تھی کہ اس نے اس کی فیملی کو کیوں مار ڈالا۔

6۔ اسپیلنگ بی کے بانوے مقابلے کے فائنل میں تیرہ سالہ اور نو سالہ دو بچے چودھویں راؤنڈ میں ہیں۔ تیرہ سالہ نینسی نے نو حرفوں کے لفظ کا ایک حرف غلط بتایا۔ اس کے بعد نو سالہ ایک خود اعتماد بچے نے گیارہ حرفوں کے لفظ کی درست اسپیلنگ بتادیں۔ ایک اضافی لفظ کے درست ہجے بتانے پر وہ مقابلہ جیت سکتا تھا۔ جسے غلط بتانے کی صورت میں تیرہ سالہ بچی دوبارہ فائنل میں آجاتی۔ وہ اضافی لفظ سن کر اس خود اعتماد، مطمئن اور ذہین بچے کے چہرے پر پریشانی پھیلی، جسے دیکھ کر اس کے والدین اور ہال کے دیگر مہمان بے چین ہوئے مگر اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اس کی سات سالہ بہن مسکرادی۔

A۔ وہ جانتی تھی کہ وہ بددیانتی کررہی ہے مگر پھر بھی اس نے اس کتاب کے پہلے باب میں تبدیلی کردی اور ترمیم شدہ باب کا پرنٹ نکال کر دیگر ابواب کے ساتھ فائل میں رکھ دیا۔

7۔ وہ دونوں ایک ہوٹل کے بار میں تھے۔ لڑکی نے اسے ڈرنک کی آفر کی مگر مرد نے انکار کردیا اور سگریٹ پینے لگا۔ لڑکی نے پھر ڈانس کی آفر کی' اس نے اس بار بھی انکار کردیا۔ وہ لڑکی اس مرد سے متاثر ہورہی تھی۔ وہ اسے رات ساتھ گزارنے کے بارے میں کہتی ہے۔ اب کے وہ انکار نہیں کرتا۔

4۔ وہ اپنے شوہر سے ناراض ہو کر اسے چھوڑ آئی ہے۔ ایک بوڑھی عورت کے سوال و جواب نے اسے سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔ اب وہ خود اپنے اس اقدام سے غیر مطمئن اور ملول نظر آتی ہے۔

پندرھویں قسط

"حمین! جاؤ بھائی کو بلا کے لاؤ' وہ سونے سے پہلے تم لوگوں کو دعا پڑھا دے۔ پتا نہیں اتنی دیر کیوں لگا دی اس نے۔"

بچوں کو پڑھانے سے فارغ ہونے کے بعد انہیں سونے کے لیے لیٹنے کا کہتے ہوئے امامہ کو جبریل یاد آیا۔ اسے کمرے سے گئے کافی دیر ہو گئی تھی۔

"آج میں پڑھاتا ہوں۔"

حمین نے اعلان کرتے ہی اپنے دونوں ہاتھ کسی نمازی کی طرح سینے پہ باندھتے ہوئے بڑے جذب کے عالم میں دعا پڑھنے کے لیے اپنا منہ کھولا اور امامہ نے تحکمانہ انداز میں فوری طور پر اسے ٹوکا۔

"حمین! بھائی پڑھائے گا۔"

حمین نے بند آنکھیں کھول لیں اور سینے پر بندھے ہاتھ بھی۔۔۔ اس سے پہلے کہ وہ کمرے سے نکل جاتا' امامہ نے نائٹ سوٹ کے اس پاجامے پر لگی گرہ کو دیکھا جو وہ ابھی ابھی باتھ روم سے پہن کر باہر نکلا تھا۔ پاجامے کے اوپری حصے کو ازار بند کے بجائے ایک بڑی سی گرہ لگا کر کسا گیا تھا اور اس گرہ کے دونوں سرے کسی خرگوش کے کانوں کی طرح اس کے پیٹ کے اوپر کھڑے تھے۔

"ادھر آؤ۔۔۔" امامہ نے اسے بلایا۔ "یہ کیا ہے؟" اس نے جھک کر نیچے بیٹھتے ہوئے اس گرہ کو کھولنے کی کوشش کی' تاکہ پاجامے کو ٹھیک کر سکے۔

حمین نے ایک چیخ ماری اور جھٹکا کھا کر اس گرہ پر دونوں ہاتھ رکھے پیچھے ہٹا۔ "ممی! نہیں۔"

"اس کی string کہاں ہے؟" امامہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس گرہ کو باندھنے کی وجہ کیا تھی۔

"میں نے اسکول میں کسی کو دے دی ہے؟"

امامہ نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیوں۔۔۔؟"

"چیریٹی میں۔۔۔" حمین نے جملہ مکمل کیا۔

امامہ نے ہکا بکا ہو کر اپنے اس بیٹے کا اعتماد اور اطمینان دیکھا۔ "چیریٹی میں؟" وہ واقعی حیران تھی۔ "صرف ایک ڈوری کو؟"

"نہیں۔۔۔" مختصر جواب آیا۔

"پھر۔۔۔؟"

"ڈوری سے بیگ کو باندھا تھا۔"

"کس بیگ کو؟" امامہ کا ماتھا ٹھنکا۔

"اس بیگ کو جس میں TOYS (کھلونے) تھے۔" جواب اب بھی پورا آیا تھا۔

"کس کے TOYS (ٹوائز)؟" امامہ کے ماتھے پر بل پڑے۔

"Well" حمین نے اب ماں' رئیسہ اور عنایہ کو باری باری۔۔۔ محتاط انداز میں دیکھا اور اپنے جواب کو گول مول کرنے کی بہترین کوشش کی۔

"There were many owners." (وہ کئی لوگوں کے تھے۔)

امامہ کو ایک لمحے میں سمجھ میں آیا تھا۔

"many owners کون تھے۔ کس کو دیے؟ کیوں دیے؟ کس سے اجازت لی؟"

اس نے یکے بعد دیگرے تابڑ توڑ سوالوں کی بوچھاڑ کردی۔
یہ پہلا موقع نہیں تھا جب حمین سکندر نے مہاتما بدھ بننے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے بہن بھائیوں کے کھلونے دان کیے تھے اور اس کے بہن بھائیوں میں اگر بلا کا تحمل نہ ہوتا تو اس کے اس کارنامے پر ہر بار بلاکا رن پڑتا۔
عنایہ کی آنکھیں اب آنسوؤں سے لبالب بھر گئی تھیں۔ اس "چھوٹے بھائی" نے یہ طے کیا ہوا تھا کہ وہ ان کی ہر چیز کو کسی بھی وقت مشنری جذبہ کے تحت کسی کو بھی دے سکتا تھا۔
"ممی!" عنایہ بری طرح بلبلائی تھی۔
" charity is not a sin "(چیریٹی گناہ نہیں ہے۔)
حمین نے اپنی آنکھیں عادتاً گول کرتے ہوئے ان دو الفاظ کا ایک بار پھر استعمال کیا جو پچھلے کچھ دنوں سے بار بار اس کی گفتگو میں آرہے تھے۔ رئیسہ اس ساری گفتگو کے دوران اپنے بیڈ پر لیٹی ان دونوں کو خاموشی سے سن رہی تھی۔
"تم نے میرے کھلونے چُرائے؟"
عنایہ کا بس چلتا تو وہ اس کو پیٹ ڈالتی۔ کم از کم رات کے اس پہر جب اسے یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ اس کا کون کون سا کھلونا چیریٹی میں دے آیا تھا۔
"صبح بات کریں گے اس بارے میں۔ ابھی نہیں۔"
امامہ نے مداخلت کی اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی صوفہ پر پڑا اس کا سیل فون بجنے لگا تھا۔ اس کا خیال تھا وہ سالار کی کال تھی۔
"حمین جاکر اپنے بیڈ پہ لیٹو۔ میں خود بلالاتی ہوں جبریل کو۔"
امامہ نے صوفہ کی طرف جاتے ہوئے کمرے کے دروازے کی طرف جاتے حمین کو ٹوکا۔ وہ بے حد فرماں برداری سے واپس اپنے بیڈ کی طرف آگیا تھا۔
امامہ نے سیل فون پر سکندر عثمان کا نام چمکتے دیکھا اور کال ریسیو کرتے ہوئے اس نے تینوں بچوں کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔
"سالار کہاں ہے؟" سکندر عثمان نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہی عجیب اضطراب میں اس سے پوچھا تھا۔
"ایک ڈنر میں گئے ہیں۔ بس ابھی آنے ہی والے ہیں۔"
"میں اسے کال کررہا تھا' وہ میری کال ریسیو نہیں کررہا۔" امامہ کو ان کے لہجے میں عجیب سی پریشانی اور گھبراہٹ محسوس ہوئی تھی۔
"ہوسکتا ہے ڈنر میں آپ کی کال نہ لے پارہے ہوں۔ وہ اکثر اپنا فون فنکشنز میں سائیلنٹ کردیتے ہیں۔ خیریت ہے نا پاپا۔" وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔
"تم لوگوں نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ اتنی بڑی بات مجھ سے کیوں چھپائی ہے؟"
سکندر عثمان حواس باختگی میں کہتے چلے گئے۔ انہیں کچھ دیر پہلے ان کے ایک قریبی عزیز نے اس حوالے سے فون کیا تھا۔
اس عزیز نے سالار کی بیماری کے حوالے سے یہ خبر کسی چینل پر دیکھی تھی اور پھر فوری طور پر افسوس کا اظہار کرنے کے لیے سکندر کو فون کیا تھا اور سکندر عثمان ان کے اظہار افسوس پر شاکڈ رہ گئے تھے۔ انہیں یقین نہیں آیا کہ سالار کے بارے میں جو وہ کہہ رہے تھے' وہ ٹھیک تھا لیکن اس کے بعد اگلے دس' پندرہ منٹوں میں انہیں اوپر

تلے کئی کالز آئی تھیں اور انہوں نے حواس باختگی کے عالم میں سالار کو کالز کرنا شروع کردی تھیں۔ جو اس نے ریسیو نہیں کیں۔

اس ڈنر میں بیٹھے سکندر عثمان کی کال آنے سے بہت پہلے سالار کو یہ پتا چل گیا تھا کہ میڈیا میں اس کی بیماری کی خبر بریک ہوچکی تھی۔ اس کے اسٹاف نے اسے اطلاع دی تھی اور ڈنر ٹیبل پر بیٹھا ہوا سالار سکتے میں آگیا تھا۔ اسے اس اسٹیج پر اس خبر کے آؤٹ ہونے کے مضمرات کا اندازہ چند ثانیوں میں ہوگیا تھا۔ وہ خبر صرف اس کے اسٹاف نے اس تک نہیں پہنچائی تھی۔ وہ جنگل کی آگ کی طرح اس ڈنر میں بیٹھے بہت سے اہم لوگوں کے علم میں آچکی تھی اور ان میں سے چند نے سالار سے اس سلسلے میں بات بھی کی لیکن سکندر عثمان کا نام اپنے فون پر چمکتا دیکھ کر سالار کی بھوک ختم ہوگئی تھی۔

اسے یقین تھا وہ کال کس مقصد کے لیے کی جارہی تھی لیکن وہ وہاں بیٹھ کر سکندر عثمان سے بات کرنے کی ہمت ہی نہیں کرسکا۔ وہ بوجھ جس نے کئی مہینوں سے اسے دہرا کر رکھا تھا ایک دم ہی جیسے اور بہت سے لوگوں کی کمریں جھکا دینے والا تھا اور اگر سکندر عثمان کو یہ خبر مل چکی تھی تو امامہ......؟

وہ آگے نہیں سوچ سکا تھا۔ وہ چند گھنٹے پہلے گھر سے نکلتے ہوئے گھر پر ایک بہت خوش و خرم خاندان چھوڑ کر آیا تھا۔ جو بھی لاوا تھا اس کے اندر تھا۔ کوئی دوسرا اس کی لپیٹ میں آکر خاکستر نہیں ہوا تھا اور اب.... سالار سکندر کا فون ٹیکسٹ میسجز اور مسڈ کالز سے اٹ گیا تھا اور وہ اس ڈنر ٹیبل پر بیٹھے صرف اس نقصان کو کنٹرول کرنے کے طریقے سوچ رہا تھا جو اس خبر سے پہنچ سکتا تھا۔ اسے اگر یہ پتا ہوتا کہ امامہ اب تک بے خبر تھی اور سکندر عثمان کا فون اٹھا لینے کی صورت میں وہ اب بھی بے خبر ہی رہتی اور وہ واپسی پر اس خوش و خرم خاندان کو ایک بار پھر پہلے ہی کی طرح دیکھ سکتا تو سالار سکندر اپنے باپ سے بات کرلیتا لیکن وہ اس وقت اس کبوتر کی طرح تھا جو بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کرنا چاہتا تھا لیکن کون سی بلی کو دیکھ کر.....؟ یہ اس کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ جو سامنے نظر آرہی تھی یا جو آنکھیں بند کرنے پر نظر آنے لگتی تھی۔

"کیا نہیں بتایا پاپا؟ کیا چھپایا ہے آپ سے؟" امامہ کی سمجھ میں سکندر عثمان کی بات نہیں آئی تھی۔ اسے لگا اس نے شاید ان کی بات سننے اور سمجھنے میں کوئی غلطی کی تھی۔

"برین ٹیومر کے بارے میں۔" سکندر عثمان نے جیسے کراہتے ہوئے کہا تھا مگر اس کے باوجود وہ سالار کا نام نہیں لے سکے تھے۔ امامہ اب بھی کچھ نہیں سمجھی۔

"برین ٹیومر؟ کس کے برین ٹیومر کے بارے میں؟" وہ الجھی اور وہ پہلا موقع تھا جب سکندر عثمان کو احساس ہوا کہ وہ بھی ان کی طرح بے خبر تھی۔

"پاپا! آپ کس کے برین ٹیومر کی بات کررہے ہیں؟" امامہ نے ان کو خاموش پا کر ایک بار پھر پوچھا۔ جواب سکندر عثمان کے حلق میں اٹک گیا تھا۔

"پاپا.....!" امامہ ان کے مسلسل خاموش رہنے پر ایک بار پھر اپنا سوال دہرانا چاہتی تھی مگر دہرا نہیں سکی۔

بجلی کے کوندے کی طرح اس کے دماغ میں اپنے ہی سوال کا جواب آیا تھا۔ سکندر عثمان کس کی بیماری پر یوں بے چین ہوسکتے تھے۔ سالار.... کیا وہ سالار کی بات کررہے تھے؟ سالار کے برین ٹیومر کی؟ ایک جھماکے کے ساتھ اسے کئی ہفتے پہلے کی فرقان اور اپنی بات چیت یاد آئی۔ ہاسپٹل کا وزٹ.... کچھ ہفتوں سے سالار کا بدلا ہوا رویہ.....

وہ بے یقینی کے عالم میں فون ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی۔ یہ اس کا وہم تھا۔ اسے وہم ہی ہونا چاہیے۔ اس نے جیسے گڑگڑا کر دعا کی تھی۔ اب کچھ اور نہیں.... کوئی آزمائش نہیں.... اس نے اپنے مفلوج ہوتے ہوئے اعصاب کے ساتھ عنایہ، حمین، رئیسہ کو دیکھا جو خوش گپیاں کرتے ہوئے سونے کی تیاری میں مصروف تھے۔

فون پر اب دونوں طرف خاموشی تھی۔ نہ سکندر عثمان بول پا رہے تھے' نہ وہ۔ وہاں پچھتاوا تھا' یہاں بے یقینی۔۔۔ سالار کا نام لینے کی نہ ان میں ہمت تھی' نہ اس میں حوصلہ۔۔۔

"آپ سے کس نے کہا؟" امامہ نے بالآخر جیسے اپنے اوسان پر قابو پاتے ہوئے کانپتی ہوئی آواز میں ان سے پوچھا۔ اس نے اپنے پچھلے سوال کے جواب پر اصرار نہیں کیا تھا۔

"اس نے تمہیں نہیں بتایا؟" سکندر عثمان نے عجیب بے بسی کے ساتھ اس سے پوچھا' یوں جیسے یہ نہیں کہنا چاہتے تھے۔ یہ کہنا چاہتے تھے کہ وہ خبر غلط تھی۔۔۔ کاش کہہ سکتے۔۔۔

امامہ کو اس سوال کا جواب دینے یا سوچنے کا موقع نہیں ملا۔ اس نے باہر ہارن کی آواز سنی تھی۔

"میں کچھ دیر میں آپ سے بات کرتی ہوں پاپا۔" اس نے اپنے سرد پڑتے ہاتھ میں تھامے فون کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے سکندر عثمان سے کہا۔

"مجھے تمہیں نہیں بتانا چاہیے تھا۔" وہ اپنے پچھتاوے کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ پائے۔ اس حالت میں بھی انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ ان کے اس انکشاف پر امامہ پر کیا گزری ہوگی۔

امامہ نے جواب نہیں دیا' فون بند کر دیا۔ سب کچھ یک دم ہی مہمل' بے معنی ہو گیا تھا۔ کسی بت کی طرح فون کو گود میں رکھے وہ ساکت بیٹھی رہی۔

وہ ساری زندگی "برے وقت" سے ڈرتی رہی تھی اور برے وقت کی آہٹ پر کان لگائے رکھتی تھی اور اب بس کچھ ہی سال تو ایسے گزرے تھے کہ اس نے آہٹوں پر کان لگانے بند کیے اور برا وقت۔۔۔ وہ جیسے سامنے آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ اتنا دبے پاؤں۔۔۔ اتنا اچانک کہ وہ ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔

اس سے کچھ فاصلے پر عنایہ اور رئیسہ کے ساتھ وقتاً" فوقتاً" گفتگو کرتا ہوا حمین سونے کی کوشش میں بھی صوفے پر بت کی طرح بیٹھی ماں پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ ممی نے دادا سے فون پر بات کی تھی اور پھر ممی خاموش بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ ہارن بجنے پر بھی پاپا کو ریسیو کرنے نہیں گئی تھیں۔ حمین نے جمائی لیتے ہوئے صورت حال کا تجزیہ کیا۔ امامہ کو ایک بار پھر دیکھا' پھر عنایہ اور رئیسہ کو جو تقریباً" نیند کی وادی میں جانے والی تھیں۔ ایک اور جماہی لے کر اس نے امامہ کو مخاطب کیا۔

"ممی! آپ ٹھیک ہیں؟"

امامہ نے چونک کر خالی نظروں سے حمین کو دیکھا وہ حمین کا سوال سمجھ نہیں سکی تھی۔ بس یہ پتا چلا تھا کہ اس نے کچھ کہا تھا۔ جواب دینے یا کوئی اور سوال کرنے کے بجائے وہ اٹھ کر باہر نکل گئی تھی۔ حمین کچھ اور الجھا تھا۔ اس کی ماں انہیں خدا حافظ کہے بغیر اور ان کے ماتھے پر بوسہ دیے بغیر ایسے نہیں جاتی تھی' جیسے وہ اس وقت گئی' یہ زندگی میں پہلی بار ہوا تھا۔ حمین کی زندگی میں۔۔۔ اس کا دماغ الجھا تھا۔ اس گھر کے افراد باری باری اس طوفان کے ہچکولوں کو محسوس کرنا شروع ہو گئے تھے۔

"تم ابھی تک جاگ رہے ہو؟" سالار نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہی وہاں پڑے کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے جبریل کو دیکھ لیا تھا۔ باپ کی آواز جبریل کو کسی کرنٹ کی طرح لگی تھی۔ برق رفتاری سے اس نے کمپیوٹر کی اسکرین پر وہ سائٹ بند کی جو وہ کھولے بیٹھا تھا اور پھر مزید کچھ بھی بند کیے بغیر وہ ریوالونگ چیئر پر بیٹھے بیٹھے گھوما۔

وہ اب باپ کا استقبال کرنے کے لیے تیار تھا جو لاؤنج کے بیرونی دروازے سے سیدھا اندر آیا تھا لیکن ابھی تک اس کے قریب نہیں پہنچا تھا۔ امامہ ہارن کی آواز سن کر بھی نہیں آئی تھی۔ جبریل ہارن کی آواز سن ہی نہیں سکا تھا۔ اس کا ذہن جس گرداب میں پھنسا ہوا تھا وہاں وہ سن بھی نہیں سکتا تھا۔

"میں ایک اسائنمنٹ کی تیاری کر رہا تھا۔" جبریل نے اپنے سامنے کھڑے سالار کو دیکھے بغیر' نظریں ملائے بغیر

کہا۔ وہ باپ کا چہرہ کیوں نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ وہ ساڑھے نو سال کا بچہ اس وقت نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ اس نے جیسے بے خبری میں ایک ایسا راز پالیا تھا جسے اب وہ کسی کے سامنے عیاں ہو جانے سے ڈر رہا تھا۔

سالار نے جبریل کا چہرہ دیکھا۔ اس کے عقب میں ڈیسک ٹاپ پر ورلڈ بینک کا ہوم پیج دیکھا 'پھر اس نے اپنی ڈنر جیکٹ اتارتے ہوئے اس سے کہا۔

"بہت دیر ہو گئی ہے۔ ساڑھے دس ہو رہے ہیں اور تمہیں دس بجے سے پہلے پہلے سب کام مکمل کر لینا چاہیے 'یاد ہے؟"

سالار نے جیسے اسے یاد دہانی کرائی تھی۔ وہ اس گھر کے بچوں کے لیے ایک طے شدہ معمول تھا 'دس بجے سے پہلے پہلے ۔ اپنا کام مکمل کر کے سو جانا۔

جبریل نے اس بار بھی باپ کو دیکھے بغیر سر ہلایا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تمہاری ممی کہاں ہیں؟" سالار نے اس سے پوچھا۔ ہارن کی آواز کے باوجود بھی اس کا استقبال کرنے نہیں آئی تھی۔ اور جبریل رات کے اس پہر لاؤنج پر ڈیسک ٹاپ پر اکیلا موجود تھا۔ اس کے گھر میں یہ خلاف معمول تھا۔ ۔۔۔ وہ خدشہ جو اسے ڈنر میں لاحق ہوا تھا وہ جیسے یقین میں بدلتا جا رہا تھا۔

جبریل کو جواب دینا نہیں پڑا۔۔۔ بچوں کے کمرے کا دروازہ کھول کر وہ آگئی تھی۔ سالار نے اسے دیکھا اور اس کے چہرے پر پڑنے والی ایک نظر ہی اسے یہ بتانے کے لیے کافی تھی کہ اس کے بدترین خدشات ٹھیک ثابت ہوئے تھے۔

اس لاؤنج میں موجود تینوں افراد عجیب ڈرامائی انداز میں وہاں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔ کسی اسٹیج پلے کے ایکٹرز کی طرح جو ڈرامے کے درمیان اپنی لائنز بھولنے کے ساتھ ساتھ اسٹیج پر آمد اور جانے کا راستہ بھی بھول چکے تھے اور اس بات کے منتظر تھے کہ پہلے دوسرا جائے۔

وہ خاموشی اس ساڑھے نو سال کے بچے نے پہلی بار اپنے گھر میں اپنے ماں باپ کے درمیان ایک دیوار کی طرح حائل ہوتی دیکھی تھی۔ اور اس خاموشی نے اس کے خوف کو بڑھایا تھا۔ وہ بلا کا ذہین تھا لیکن دنیا کی کوئی ذہانت انسانی رشتوں کے الجھے دھاگوں کو سلجھا نہیں سکتی۔ نہ جذباتیت کو مات دے سکتی ہے نہ بے حسی کو توڑ سکتی ہے۔ نہ خاموشی کی دیواریں چھید سکتی ہے۔

سالار کی طرح جبریل نے بھی یہ تو جان لیا تھا کہ امامہ بھی سالار کی بیماری کے بارے میں جان گئی تھی لیکن یہ انکشاف اسے کس حد تک اذیت دے رہا تھا۔ جبریل اس کا اندازہ نہیں کر پا رہا تھا نہ اس کے رد عمل کا۔۔۔

"گڈ نائٹ۔" اسے جیسے راہ فرار سوجھ گئی تھی۔ وہ دو لفظ بول کر ماں کی طرف دیکھے بغیر وہاں سے غیر متوازن چال کے ساتھ گیا تھا۔ لاؤنج میں کھڑے رہ جانے والے ان دونوں افراد نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ایک نظر پھر دوسری پھر تیسری۔۔۔ پھر سالار پلٹ کر اپنے بیڈ روم کی طرف گیا تھا۔ وہ اس سے زیادہ ان نظروں کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔

اپنے بیڈ روم میں داخل ہو کر پیچھے دیکھے بغیر بھی وہ جانتا تھا وہ اس کے پیچھے تھی اور میکانکی انداز میں اندر آئی تھی یوں جیسے کسی ٹرانس میں تھی۔ سحر زدہ نہیں تھی۔ دہشت زدہ تھی۔۔۔ یوں جیسے بہت کچھ پوچھنے کے باوجود کچھ پوچھنا نہیں چاہتی تھی۔۔۔ جیسے اسے یقین تھا۔ اب جو بھی خبر ملنی تھی بدی سے بدتر ملنی تھی۔

سالار اب بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ ڈنر جیکٹ کو صوفے پر پھینکتے ہوئے اس نے وہ فون ٹراؤزر کی جیب سے نکال لیا تھا جو بج رہا تھا۔ وہ سکندر عثمان تھے۔۔۔ اس نے اس بار باپ سے صرف نظر نہیں کیا تھا۔ جب امامہ کو سب کچھ پتا چل چکا تھا تو پھر باقی کسی سے کیا چھپانا تھا اسے؟

اس کی آواز سنتے ہی سکندر عثمان اپنا حوصلہ کھو بیٹھے تھے۔۔۔ سالار نے باپ کو زندگی میں پہلی بار روتے دیکھا تھا اور اس لمحے اسے پہلی بار احساس ہوا کہ صرف اولاد کے آنسو ہی تکلیف دہ نہیں ہوتے۔ ماں باپ کو اپنی نظروں کے سامنے اپنی وجہ سے روتے دیکھنا بھی بے حد مشکل ہوتا ہے۔

"تم نے طے کر رکھا ہے کہ تم ساری عمر مجھے چین نہیں لینے دو گے۔"

سکندر عثمان نے آنسوؤں کے درمیان اس سے کہا۔ وہ اولاد کی تکلیف پر پریشان ہونے والے باپ تھے' رو پڑنے والے باپ نہیں تھے۔ آج ان کا یہ زعم بھی اسی اولاد نے ختم کیا تھا جو اتنے سالوں سے ان کے لیے فخر کا باعث رہی تھی۔

"اس بار تو میں نے کچھ بھی نہیں کیا پاپا!" اس جملے نے سکندر عثمان کو مزید زخمی کیا تھا۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ واقعی اس بار تو اس نے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔

"میں اور تمہاری ممی کنشاسا آ رہے ہیں' اسی ہفتے۔" انہوں نے اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔

"پاپا! کیا فائدہ ہے؟ میں وقت نہیں دے پاؤں گا۔ سب کچھ وائنڈ اپ کر رہا ہوں میں یہاں' کچھ دنوں کی بات ہے پھر میں آجاؤں گا آپ کے پاس' پاکستان۔"

اس نے باپ کو سمجھانے کی کوشش کی۔۔۔ وہ ان دونوں کو ان حالات میں اپنے سامنے نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔۔۔ میں فی الحال بالکل ٹھیک ہوں۔ ٹریٹمنٹ ہو رہا ہے۔ آپ صرف دعا کریں۔ ممی سے میری بات کروا دیں۔" اس نے سکندر عثمان کو دلاسا دیتے ہوئے انہیں ماں سے بات کروانے کو کہا۔ طیبہ بھی اسی کیفیت میں تھی جس میں سکندر عثمان تھے۔۔۔ اس کی بیماری کا انکشاف جیسے ایک آتش فشاں کے پھٹنے کی طرح تھا جس نے منٹوں میں اس سے جڑے ہر شخص کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا تھا۔

کمرے میں ٹہلتے ہوئے فون کان سے لگائے وہ اپنے ماں باپ کو تسلیاں دیتے ہوئے اس وجود سے بے خبر نہیں تھا جو کمرے کے درمیان اس ساری گفتگو کے دوران کسی بت کی طرح ساکت کھڑا تھا۔ ایک ایک لفظ کو سنتے ہوئے اور ایک بھی لفظ کو سمجھے بغیر۔

سالار نے بالآخر فون بند کیا اور اسے سینٹر ٹیبل پر رکھ دیا۔ ایک عجیب سا احساس جرم تھا جس کا شکار وہ اس وقت ہو رہا تھا۔ پتا نہیں احساس جرم تھا یا خود ترسی۔۔۔ اس کی بیماری نے اسے بڑے غلط انداز میں سب کی توجہ کا مرکز بنایا تھا۔ سب کی توجہ کا مرکز اور ہر ایک کی تکلیف کا باعث۔

اس نے فون رکھ کر امامہ کو دیکھا۔ اس کا چہرہ سفید تھا۔۔۔ بالکل بے رنگ یوں جیسے اس نے کسی بھوت کو دیکھ لیا ہو' اس پر نظریں جمائے پلکیں جھپکائے بغیر۔۔۔ شاکی نظریں بے یقینی سے بھری ہوئی۔

"بیٹھ کے بات کرتے ہیں!" خاموشی کو سالار نے توڑا تھا' وہ اس کی نظروں کا سامنا نہیں کر پا رہا تھا۔۔۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر امامہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے صوفے کی طرف لے آیا۔۔۔ وہ کھنچی چلی آئی تھی۔۔۔ یوں جیسے ایک روبوٹ ہو۔

"تمہیں کس نے بتایا؟"

بہت دیر صوفے پر برابر ایک دوسرے کو دیکھے بغیر گم صم بیٹھے سالار نے بالآخر یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ گفتگو کا آغاز اب بھی اسے ہی کرنا تھا۔ سوال کا جواب جاننے کے باوجود اس نے پوچھا تھا۔

اس سوال کے علاوہ سارے سوال مہلک تھے۔۔۔ سارے سوالوں سے وہ بچنا چاہتا تھا۔ کسی دوسرے کے بارے میں پوچھنا اور بات کرنا اور بات تھی۔ اپنے بارے میں بات کرنا۔۔۔ اپنی بیماری۔۔۔ اپنی زندگی' اپنی موت۔۔۔ یہ انسان نہیں کر سکتا' وہ بھی انسان تھا۔

"تم نے کیوں نہیں بتایا؟" سوال کا جواب وہ نہیں آیا تھا جس کی اسے توقع تھی۔ سوال کا جواب سوال سے ہی آیا تھا۔ گلے میں پھنسی ہوئی رندھی ہوئی زخمی سی آواز میں... وہ امامہ کی آواز نہیں تھی۔ بے بسی اور بے یقینی کی آواز تھی۔ کیا ہوا... ؟ کب ہوا... سے بھی زیادہ چبھنے والا سوال... اس نے اسے اس قابل کیوں نہیں سمجھا تھا کہ اپنی زندگی کی اتنی بڑی تکلیف وہ خبر کو اس کے ساتھ بانٹتا... چھپانا کیوں ضروری سمجھا تھا۔ زندگی کے اتنے سال ساتھ گزارنے کے باوجود بھی۔

"ہمت نہیں پڑی۔" جواب نے امامہ کی ہمت بھی توڑی تھی۔ وہ کم حوصلہ تو کبھی نہیں تھا تو کیا وہ خبر اس بیماری کی نوعیت اس حد تک خراب تھی کہ وہ کم ہمت ہو رہا تھا۔

وہ اسے دیکھے بغیر اب جوتوں کے تسمے کھولتے ہوئے اسے اپنی بیماری کے بارے میں بتا رہا تھا۔

ٹیومر کی تشخیص... نوعیت، ممکنہ علاج، متوقع مضمرات... مدھم آواز میں اسے دیکھے اس سے نظریں ملائے بغیر وہ اسے سب کچھ بتاتا چلا گیا، وہ دم سادھے سب کچھ سنتی گئی۔ یوں جیسے وہ اپنے کسی بھیانک خواب کے بارے میں بتا رہا تھا۔

"تم ٹھیک ہو جاؤ گے نا؟"

اس نے ساری گفتگو سننے کے بعد اس کا کندھا دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر منت والے انداز میں پوچھا تھا، یوں جیسے وہ مریض نہیں ڈاکٹر تھا اور اس کی زندگی اور بیماری خود اس کے ہاتھ میں تھی... وہ جواب ہی نہیں دے سکا۔ بول ہی نہیں سکا۔ وہ سوال تھوڑی تھا وہ تو آس اور امید تھی جو وہ اسے کم از کم اپنے لفظوں سے دینا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے اپنی بیماری کے بارے میں پاکستان اور امریکہ کے ڈاکٹرز کی آرا بتادی تھیں اور اس کے باوجود وہ اس سے ایک احمقانہ سوال پوچھ رہی تھی، سالار نے خفگی محسوس کی، غصہ نہیں آنا چاہیے تھا لیکن غصہ آیا تھا۔

"امامہ! تم جا کر سو جاؤ۔" اس نے اپنے کندھے سے اس کے دونوں ہاتھ ہٹاتے ہوئے اسے کچھ کھردرے لہجے میں ایک ویسا ہی احمقانہ مشورہ دیا۔ وہ اپنے جوتے اٹھا کر صوفے سے اٹھ جانا چاہتا تھا۔ وہ اٹھ نہیں سکا۔ وہ اب پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ بچوں کی طرح اس کے کندھے سے لگی... وہ اسے سونے کا کہہ رہا تھا۔ نیند تو ہمیشہ کے لیے چلی گئی تھی اب اس کی زندگی سے... وہ جو ایک گھر اتنی مشکل سے بنایا تھا وہ ٹوٹنے جا رہا تھا۔ سائبان ہٹنے والا تھا اور وہ اسے کہہ رہا تھا وہ سو جائے۔

وہ اس سے لپٹی ہچکیوں کے ساتھ روتی رہی، وہ مجرموں کی طرح چپ سر جھکائے بیٹھا رہا... تسلی دلاسا دے سکتا تھا۔ پر کیا دیتا... ابھی اسے وہ سارے لفظ ڈھونڈنے اور سوچنے تھے، جن میں وہ اپنی بیوی کو یہ کہتا کہ وہ اب اپنے مستقبل کو اس کے بغیر سوچے، اپنے حال میں سے اسے نکالنا سیکھے... یہ ناامیدی اور مایوسی نہیں تھی۔ حقیقت پسندی تھی... وہ حقیقت پسندی جس سے امامہ نفرت کرتی تھی۔

"میں رپورٹس دیکھنا چاہتی ہوں۔" وہ روتے روتے یک دم بولی تھی۔ پتا نہیں اب کیا گمان تھا جسے وہ وہم بنانا چاہتی تھی۔ سالار نے ایک لفظ کہے بغیر اٹھ کر کمرے میں پڑی ایک کیبنٹ سے فائلز کا ایک پلندہ لا کر اس کے سامنے سینٹر ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ وہ کپکپاتے ہاتھوں سے ان رپورٹس کو دیکھنے لگی، دھندلائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ وہ ان کاغذات کو دیکھتے ہوئے جیسے یہ یقین کرنا چاہتی تھی کہ کچھ اور تو نہیں تھا جو وہ چھپا رہا تھا۔ کوئی اور بری خبر، پیروں کے نیچے سے باقی ماندہ زمین بھی نکال دینے والا انکشاف... ہر کاغذ اس کی آنکھوں کی دھند کو گہرا کر رہا تھا، وہ میڈیکل کی اسٹوڈنٹ رہ چکی تھی رپورٹس میں استعمال شدہ ٹرمز کو پڑھ بھی سکتی تھی، سمجھ بھی سکتی تھی۔ آخری فائل کو بند کر کے واپس رکھتے ہوئے اس نے سالار کو دیکھا۔

"میڈیکل سائنس غلط بھی تو کہہ سکتی ہے۔"

سالار رندھی ہوئی آواز میں کہے گئے اس جملے پر ہنس پڑا۔ وہ غلط آدمی کو غلط جملے سے امید دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ بلکہ شاید یہ جملہ اس سے نہیں اپنے آپ سے کہہ رہی تھی۔ اپنے دماغ میں چلنے والے جھکڑ روکنے کے لیے۔

''ہاں سائنس غلط بھی کہہ سکتی ہے۔۔۔ ڈاکٹرز کی تشخیص بھی غلط ہو سکتی ہے' علاج بھی۔'' اس نے امامہ ہاشم کی بات کو رد نہیں کیا تھا۔۔۔ اس کی اذیت کو وہ اور نہیں بڑھانا چاہتا تھا۔

''تم ٹھیک ہو جاؤ گے نا؟'' اس کا بازو ایک بار پھر تھاما گیا تھا۔ سوال پھر دہرایا گیا تھا۔۔۔ وہ خاموش نہیں رہ سکا غصہ بھی نہیں دکھا سکا۔

''اگر میرے ہاتھ میں ہوتا تو ضرور۔۔۔ لیکن یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اس لیے ان شاء اللہ۔''

وہ پھر ہچکیوں سے رو پڑی تھی۔ اس بار سالار نے اسے لپٹا لیا۔ وہ مرد تھا رونا نہیں چاہتا تھا مگر جذباتی ہو رہا تھا۔۔۔ وہ آنسو نہیں تھے۔ وہ سارے خوف اور خدشات تھے جو اس کی بیماری ان کی زندگی میں لے آئی تھی۔ چار کم سن بچوں کے ساتھ وہ ایک عورت' اپنی زندگی کو کیسے اکیلے بسر کر لینے کا تصور کر لیتی۔ جب وہ پچھلے گیارہ سالوں سے اس پر ہر لحاظ سے انحصار کرتی رہی تھی۔ خوف بے شمار تھے اور وہ اس کے اظہار کے بغیر بھی جیسے اس کا ذہن پڑھ رہا تھا۔

''امامہ! تمہیں بہادر بن کر اس سب کا مقابلہ کرنا ہے۔''

اس نے بالآخر اس کے لیے ایک جملہ ڈھونڈا تھا کہنے کے لیے۔۔۔ صدیوں پرانا روایتی جملہ۔۔۔ تکلیف میں انسان بے حس تو ہو سکتا ہے بہادر کیسے ہوتا ہے؟۔۔۔ وہ اس سے کہنا چاہتی تھی لیکن کہہ نہیں سکی۔

زندگی میں پہلی بار اس نے سالار کی کسی بات پر اعتراض کے باوجود وہ اعتراض اس تک نہیں پہنچایا۔۔۔ لڑنا جھگڑنا بحث مباحثہ یہ تو تب ہوتا ہے جب سالوں کا ساتھ ہو۔۔۔ سالوں کا ساتھ گزر گیا تھا۔۔۔ اب جو رہ گیا تھا۔ وہ مہلت تھی اور اس مہلت نے اسے کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا تھا۔ شکوہ۔۔۔ شکایت۔۔۔ گلہ۔۔۔ اعتراض۔۔۔ کچھ بھی۔۔۔ وہ روتی رہی وہ اسے ساتھ لگائے تھپکتا رہا۔

''تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔'' بہت دیر تک اس سے لپٹ کر روتے رہنے کے بعد وہ اس سے الگ ہوئی اور اس نے جیسے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''تم پھر سوال کر رہی ہو؟'' سالار کو لگا اس کی ذہنی کیفیت ٹھیک نہیں تھی۔

''نہیں' سوال نہیں کر رہی۔ بتا رہی ہوں۔۔۔ تمہیں بہادر بن کر اس سب کا مقابلہ کرنا ہے۔''

وہ اس کا جملہ اسی سے دہرا رہی تھی وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''بیماری ہے۔ موت تو نہیں ہے۔'' کیسی تسلی تھی جو اس نے دی تھی۔ اسے شاید خیال آیا تھا کہ اسے سالار کو تسلی دینا چاہیے تھی اس کے آنسو اسے پریشان کر رہے ہوں گے۔۔۔ مگر اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کے الفاظ اس کے چہرے کا ساتھ نہیں دے رہے ہوں گے۔

امامہ سرخ سوجی ہوئی آنکھوں کے ساتھ لڑکھڑاتی زبان میں اسے۔ جو امید دلا رہی تھی' اس کی حقیقت اسے بھی پتا تھی اور اس کو بھی جیسے وہ امید دلا رہی تھی۔

''تم کہتی ہو تو مان لیتا ہوں۔'' وہ مسکرایا۔۔۔ امامہ کی آنکھوں میں آنسوؤں کا ایک اور سیلاب آیا۔

''میں نے زندگی میں تمہیں بہت سارے آنسو دیے ہیں' تمہارے رونے کی بہت ساری وجوہات کا باعث بنا ہوں میں۔'' اس کے آنسوؤں نے عجیب کانٹا چبھویا تھا سالار کو۔۔۔

بہتے آنسوؤں کے ساتھ سر ہلاتے ہوئے وہ ہنسی۔

"ہاں پر میری زندگی میں خوشی اور ہنسی کے سارے لمحات کی وجہ بھی تم ہو۔"
وہ اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گیا۔۔۔ پھر یک دم اٹھ کھڑا ہوا۔
"سو جاؤ۔۔۔ بہت رات ہو گئی ہے۔" وہ کپڑے تبدیل کرنے کے لیے واش روم میں چلا گیا تھا جب واپس آیا۔ وہ اسی طرح وہاں بیٹھی تھی۔۔۔ ان ہی فائلوں کے پلندے کو ایک بار پھر گود میں لیے۔۔۔ یوں جیسے اس میں جھوٹ ڈھونڈ رہی ہو۔۔۔ کوئی غلطی کوئی غلط فہمی۔۔۔ امید تو وہاں نہیں تھی۔
سالار نے کچھ کہے بغیر خاموشی سے اس کی گود سے وہ ساری فائلیں اٹھالیں' اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔
"امامہ! ایک وعدہ کرو؟" فائلوں کو اس کیبنٹ میں لاک کرتے ہوئے سالار نے اس سے کہا۔
"کیا؟" اس نے دوپٹے سے اپنا چہرہ رگڑتے ہوئے اس سے کہا۔
"بچوں کو کچھ پتا نہیں چلنا چاہیے۔ وہ بہت چھوٹے ہیں۔"
امامہ نے سر ہلا دیا۔

☆ ☆ ☆

"برین ٹیومر کیا ہوتا ہے؟" حمین نے دعا کا آخری لفظ پڑھتے ہی جبریل سے پوچھا' جبریل کا رنگ اڑ گیا۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی کمرے میں آیا تھا۔
"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" جبریل کو لگا جیسے حمین نے وہ سوال اس سے جان بوجھ کر کیا تھا۔ یوں جیسے اس کی چوری پکڑلی تھی۔ "کوئی disease (بیماری) ہوتی ہے؟" وہ جبریل سے پوچھنے کے باوجود اندازہ لگا چکا تھا۔
"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" جبریل نے ایک بار پھر اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اپنا سوال دہرایا' لیکن اس نے دل میں جیسے دعا کی تھی کہ اسے کچھ پتا نہ ہو۔
"ہماری فیملی میں کسی کو برین ٹیومر ہے۔" حمین نے بالآخر اعلان کیا۔ جبریل نے عنایہ اور رئیسہ کو دیکھا وہ دونوں سو چکی تھیں۔
"I think dada has got brain tumar" (میرا خیال ہے دادا کو ہے)۔" اس نے جبریل کے تبصرے سے پہلے اپنا اگلا نتیجہ اس کے ساتھ بانٹا۔
"He told Mummy and Mummy got upset" ۔" انہوں نے ممی کو بتایا ہے اور ممی اپ سیٹ ہو گئی ہیں)
جبریل اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گیا۔ تو اس کی ماں تک بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی۔ اور اس کے دادا تک بھی۔۔۔ اور پوری فیملی تک۔۔۔ وہ بچہ سوچ رہا تھا۔
"Is dada going to die (کیا دادا مرنے والے ہیں؟)
حمین نے اس بار لیٹے لیٹے بے حد رازدارانہ انداز میں جبریل سے پوچھا۔
"نہیں۔" اس نے بے اختیار کہا۔
"Thank God.... I love him so much"
"تھینک گاڈ! مجھے ان سے بہت پیار ہے۔"
حمین نے اپنے ننھے ننھے ہاتھ سینے پر رکھ کر جیسے سکون کا سانس لیا۔
"تب ٹھیک ہے۔"

"حمین! تم یہ بات کسی کو مت بتانا۔" جبریل نے یک دم اسے ٹوکا۔
"دادا کے برین ٹیومر والی؟" وہ متجسس ہوا۔
"ہاں۔"
"کیوں؟"
اس کیوں کا کوئی معقول جواب نہیں تھا اس کے پاس، لیکن جواب کے بغیر حمین کو وہ قائل نہیں کر سکتا تھا۔
"یہ ممی کا سیکرٹ ہے' وہ اسے ڈس کلوز (ظاہر) نہیں کرنا چاہتیں۔"
"اوہ! ہاں۔" حمین کو فوری طور پر بات سمجھ میں آگئی۔
"دادا نے ممی کو یہ بات بتائی تو وہ اپ سیٹ ہو گئیں' اب تم کسی اور کو بتاؤ گے تو وہ بھی اپ سیٹ ہو جائے گا۔"
جبریل جتنے حفاظتی بند باندھ سکتا تھا' اس وقت باندھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ننھا بچہ ماں باپ کے اس راز کو راز رکھنے کے لیے ہلکان ہوتا جا رہا تھا۔
"اوہ مائی گاڈ! یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔"
حمین کو یک دم خیال آیا۔ وہ جبریل کی بات نہ مان کر کتنا برا کام کرنے والا تھا۔
جبریل اب سونے کے لیے لیٹ چکا تھا۔
"لوگوں کو اپ سیٹ کرنا گناہ ہے نا؟" ایک پر اسرار سرگوشی اس کے بائیں کان میں ایک بار پھر گونجی۔
"ہاں' یہ بہت بڑا گناہ ہے۔" جبریل نے سرگوشی میں ہی اندھیرے میں چمکنے والی ان آنکھوں کو ڈرایا۔
"آہاں.... اوکے۔"
حمین کی آواز میں اس بار خوف تھا اور وہ سیدھا ہو کر لیٹ گیا۔... وہ آج کل ہر کام اور بات کو ایک ہی پیمانے پر جج کرتا تھا... کیا وہ sin (گناہ) ہے؟
جبریل کچھ دیر اسی طرح لیٹا رہا... نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ حمین کے خراٹے تھوڑی ہی دیر میں اس کے کانوں میں گونجنے لگے وہ اس کے خراٹوں سے بے حد چڑتا تھا اور ہمیشہ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ حمین سے پہلے سوئے کیونکہ اگر وہ پہلے سوجاتا تو اس کے خراٹوں کی آواز سے وہ سو نہیں پاتا تھا... اور آج وہ جان بوجھ کر اس کے نیند میں جانے کا انتظار کرتا رہا' جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ سو چکا ہے تو وہ بڑی احتیاط سے بستر سے اٹھا اور بے قدموں چلتا ہوا دروازہ کھول کر دوبارہ لاؤنج میں آگیا جس کی لائٹ اب آف تھی۔ جبریل نے لاؤنج کی لائٹ جلائے بغیر کمپیوٹر آن کیا اور دوبارہ ان ہی میڈیکل ویب سائٹس کو دیکھنے لگا جنہیں وہ سالار کے آنے سے پہلے دیکھ رہا تھا۔
ساڑھے نو سال کی عمر میں محمد جبریل سکندر نے پہلی بار برین ٹیومر کے بارے میں پڑھا تھا... نیورو سرجری کے بارے میں... neurooncology کے بارے میں oligodendrogliomas کے بارے میں... اس کی ہر ٹائپ کے بارے میں... اور دماغ کے بارے میں... وہ پہلے بھی اپنی سائنس کی کلاسز میں دماغ کے بارے میں متجسس رہتا تھا لیکن اب وہ دماغ اور اس کو لاحق ایک بیماری اس شخص کی زندگی کو چیلنج کر رہی تھی جس سے اسے بے حد پیار تھا۔ وہ اس بیماری کا علاج ڈھونڈنا چاہتا تھا جس سے وہ اپنے باپ کی زندگی بچا سکے... ساڑھے نو سال کی عمر میں دماغ اور دماغ کی بیماریوں سے یہ دنیا کے کم عمر ترین اور قابل ترین سرجن کا پہلا تعارف تھا...
سالار سکندر اپنی بیماری کے بارے میں جتنا کچھ جانتا تھا' جبریل سکندر اس ایک رات میں اس سے دس گنا زیادہ جان چکا تھا... وہ پہلی رات نہیں تھی جب جبریل جاگ کر اس بیماری کی کھوج میں لگا تھا' وہ اس کی زندگی کی ان راتوں کا آغاز تھا جو اسے دماغ کی گتھیوں کو سلجھانے میں گزارنی تھیں۔

☆ ☆ ☆
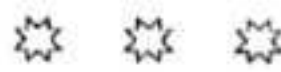
اس رات امامہ کو نیند نہیں آئی۔۔۔ سالار کے سو جانے کے بعد بھی وہ اس طرح جاگتی رہی تھی جیسے نیند نامی کسی شے سے واقف ہی نہ ہو۔

اسے خوف رہتا تھا وہ جس سے پیار کرتی تھی وہ اس سے چھن جاتا تھا۔ وہ سالار سے پیار نہیں کرتی تھی۔ کرنے لگی تو اس کا اعتراف نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ ضروری ہو گیا تو وہ اس کا اظہار نہیں کرتی تھی۔ وہ اس کو کھو دینے سے ڈرتی تھی۔۔۔ پیار کیسی قاتل شے ہے۔۔۔ کسی تیر تلوار سے نہیں مارتا۔۔۔ "ہو" جانے سے مار دیتا ہے۔

اس نے لاہور میں نہر کنارے ملنے والی اس بوڑھی خانہ بدوش عورت کے بارے میں سالار کو بھی بتایا تھا۔۔۔ جب وہ اس کے پاس امریکہ واپس گئی تھی اور وہ حیران رہ گیا تھا کہ وہ موم کیسے ہوئی۔ اس کا دل کیسے بدل گیا۔

سالار نے اس بوڑھی عورت کے قصے کو دلچسپی سے سنا تھا۔ یقین نہیں کیا تھا۔ اس کا خیال تھا امامہ اس وقت جس ذہنی حالت میں تھی وہ چیزوں کے بارے میں ضرورت سے زیادہ حساسیت دکھا رہی تھی اس نے امامہ کی اس بات کو بھی زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیا تھا کہ وہ اس عورت کو کوشش کے باوجود ڈھونڈ نہ سکی۔

اور آج اتنے سالوں کے بعد امامہ کو ایک بار پھر وہی عورت یاد آئی تھی۔ وہ کہیں اسے ملتی تو وہ اسے بتاتی کہ اسے وہم نہیں تھا۔۔۔ وہ جس سے پیار کرتی تھی۔ وہ اس سے چھن جاتا تھا۔

سالار کی آنکھ رات کے کسی پل کھلی تھی امامہ برابر کے بستر میں نہیں تھی صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے بستر کی طرف کے پڑے ہوئے صوفے پر۔۔۔ اس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل لیمپ آن کر دیا۔ وہ واقعی وہیں تھی۔ صوفے پر سر جھکائے۔۔۔ وہ کمرے میں روشنی ہونے پر بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تھی ایک گہرا سانس لے کر سالار نے اپنی آنکھوں کو رگڑا تھا پھر وہ اٹھ کر اس کے برابر صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔

"تمہیں پتا ہے میں کیوں تمہیں یہ سب نہیں بتانا چاہتا تھا۔ صرف اسی وجہ سے؟ تم مجھے بہت پریشان کر رہی ہو۔" وہ مدھم آواز میں اس سے کہہ رہا تھا۔ وہ اسے ڈانٹنا چاہتا تھا۔۔۔ ڈانٹ نہیں سکا۔۔۔

اس نے سر اٹھا کر سالار کا چہرہ دیکھا۔ "مجھے نیند نہیں آ رہی۔"

"تم سونے کے لیے لیٹو گی تو نیند آ جائے گی۔" اس نے جواباً کہا۔

وہ چپ چاپ اس کے پاس سے اٹھ کر بیڈ پر جا کر لیٹ گئی۔ اس کی اس اطاعت نے سالار کو بری طرح کاٹا۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل لیمپ بجھا کر وہ بھی سونے کے لیے بستر پر لیٹ گیا تھا لیکن نیند اب اس کی آنکھوں سے بھی غائب ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

بیماری کے انکشاف کے اثرات اسے اگلے دن ہی پتا چلنے شروع ہو گئے تھے۔۔۔ بورڈ آف گورنرز کے پانچوں ارکان کے بعد باری باری بہت سے ایسے لوگوں نے اسے میسجز اور کالز کرنی شروع کر دی تھیں جو ان کے اس مالیاتی نظام سے وابستہ ہونے کے لیے فنانشل امداد دے رہے تھے۔ وہ سالار سکندر کی زندگی کے حوالے سے تشویش کا شکار نہیں تھے وہ اس ادارے میں اپنی انویسٹمنٹ کے حوالے سے عدم تحفظ کا شکار ہو گئے تھے جس سے وہ سالار سکندر کے نام کی وجہ سے جڑنا چاہتے تھے۔

یہ سالار سکندر اور اس کے ساتھیوں کے لیے ایک بہت بڑا دھچکا تھا۔۔۔ اس اسٹیج پر اس طرح کی عدم اعتمادی ان کے ادارے کی ساکھ کے لیے بے حد نقصان دہ تھی۔۔۔

اگلے چند دن سالار سکندر نے دنیا جہاں سے مافیہا صرف کالز' ای میلز' میسجز کے ساتھ گزارے تھے۔۔۔

کچھ بڑے سرمایہ کار پیچھے ہٹ گئے تھے اور وہ واپس تب آنے پر تیار تھے جب انہیں ان کا ادارہ کام کرتا اور کامیاب ہوتا نظر آتا۔۔۔ باقی کے سرمایہ کاروں کو روکنے کے لیے جان توڑ کوششوں کی ضرورت تھی۔ جو وہ سب کر رہے تھے۔

ایک capitalistic (سرمایہ دارانہ) دنیا کے اندر روپیہ صرف روپے کے پیچھے بھاگتا ہے۔۔۔ اور روپیہ سانپ کی طرح ڈرپوک ہوتا ہے۔ ایک ہلکے سے خطرے کی آہٹ پر بھی بھاگ جاتا ہے۔۔۔ دوستیاں، تعلقات، اعتماد۔۔۔ کوئی چیز اس کے پاؤں کی زنجیر نہیں بنتی سوائے ایک چیز کے۔۔۔ تحفظ اور ترقی۔۔۔ وہ صرف وہاں ٹکتا ہے جہاں پھل پھول سکتا ہے۔۔۔ دن دگنی رات چوگنی ترقی کر سکتا ہے۔۔۔ وہاں نہیں جہاں اس کی ترقی کو خدشات لاحق ہو جائیں۔

سالار سکندر نے زندگی کا ایک بڑا حصہ مالیاتی اداروں اور انویسٹمنٹ بینکنگ میں گزارا تھا، وہ سرمایہ کاروں کی نفسیات اور ذہنیت کو اپنے بائیں ہاتھ کی طرح جانتا تھا۔۔۔ وہ کب درخت پر بیٹھے پرندوں کی طرح اڑتے ہیں اور کب دانے کے پیچھے آتے ہیں یہ کوئی اس سے بہتر نہیں جان سکتا تھا۔۔۔ اس کے باوجود وہ اپنے موجودہ آقاؤں کی کرم نوازی کی وجہ سے ایک بے حد مشکل صورت حال میں پھنس چکا تھا۔

اگلے چند ہفتے ان ابتدائی چند دنوں سے بھی زیادہ مشکل ثابت ہوئے تھے۔۔۔ ان کے سارے بڑے سرمایہ کار، انہیں چھوڑ چکے تھے۔۔۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ان کا ستر فی صد فنانس ان کے پاس آنے سے بھی پہلے ختم ہو گیا تھا تیس فی صد فنانس وہ تھا جو بورڈ آف ڈائریکٹرز کی اپنی کنٹری بیوشن تھی اور وہ سارا ان انویسٹرز کی شکل میں موجود تھا جو وہ ان پانچ سالوں میں اپنے ادارے کے لیے دنیا کے مختلف حصوں میں کرنے آئے تھے۔۔۔ ان کے پاس رننگ کیپٹل بہت کم تھا۔۔۔ وہ کیپٹل جس کی بنیاد پر انہوں نے بین الاقوامی طور پر اس ادارے کا آغاز کرنا تھا۔۔۔ ایک بڑے سرمایہ کار کے معاہدہ کر کے بھاگ جانے کا مطلب تھا کہ ہزاروں دوسرے پوٹینشل انویسٹر آپ کو اپنے ریڈ زون میں رکھ دیں۔۔۔ جانے والا بڑا انویسٹرز کئی ممکنہ آنے والے انویسٹرز کو بھی پہلے ہی غائب کر دیتا ہے، پانچ سال میں دن رات کی جانے والی محنت چند ہفتوں میں دھوئیں کی طرح اڑ گئی تھی۔ وہ اگر پھر سے زیرو پر نہیں بھی آئے تھے تب بھی ان کی ساکھ کی کمر ٹوٹی تھی۔

اور اس سارے کرائسس نے سالار کو ایک اور چیز سکھائی تھی۔۔۔ کوئی بھی ادارہ فرد واحد پر کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔۔۔ ون مین شو اس ون مین کے ختم ہونے کے بعد آدھی سیٹوں کے تماشائی بھی کھینچ کر نہیں لا سکتا۔۔۔ یہ بہت بڑا سبق تھا جو سالار سکندر نے بہت بڑی قیمت ادا کر کے حاصل کیا تھا۔

وہ زندگی میں بہت کم مایوس ہوا تھا، بہت کم اسے یہ لگا تھا کہ وہ کچھ نہیں کر سکے گا اور یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اسے بیٹھ کر یہ سوچنا پڑ گیا تھا کہ کیا یہ سب کچھ ایسا تو نہیں ہے۔ جو وہ نہیں کر سکتا۔ کیا وہ اپنی صلاحیتوں اور استطاعت سے بڑا خواب دیکھ رہا تھا؟ کیا اس کی فیملی کے لوگ اور احباب ٹھیک تھے جب وہ اسے اس راستے پر چلنے سے روک رہے تھے۔۔۔ وہ نہیں سمجھ پایا کہ وہ اتنا منفی ہو کر کیوں سوچ رہا تھا۔ شاید اس کی ایک بنیادی وجہ وہ بیماری تھی جس کا وہ شکار تھا، جو اسے زندگی میں پہلی بار زندگی کے آخری لمحے کے بارے میں ٹک ٹک کرتے ہوئے بتا رہی تھی۔۔۔ سات سے دس سال۔۔۔ اسے جو بھی کرنا تھا۔۔۔ اس سے بھی کم مدت میں کرنا تھا۔۔۔ لیکن دھاگے کا سرا کہاں تھا؟ اور سرا پکڑا کیسے جائے فوری طور پر یہ سمجھ سے باہر تھا۔

☆ ☆ ☆

"اگر میں تمہیں ایک بیڈ نیوز بتاؤں تو کیا تم اپ سیٹ ہو جاؤ گی؟" اگلے دن اسکول ختم ہونے کے بعد گاڑی کے انتظار میں کھڑے حمین سکندر نے رئیسہ سے کہا۔۔۔ عنایہ اور جبریل کو پک کرنے سے پہلے ڈرائیور ان دونوں کو

پک کرتا تھا پھر اسی سکول کے ایک دوسرے کیمپس سے۔ جبریل اور عنایہ کو...

ایک لمحہ کے لیے رئیسہ کی سمجھ میں نہیں آیا وہ حمین کے اس سوال کا کیا جواب دے... جبریل کے خوب سمجھانے بجھانے اور دھمکیوں کے باوجود وہ کوئی خبر اتنی ہی دیر ہضم کر سکتا تھا جتنی دیر اس نے ہضم کرلی تھی۔ اور گھر میں رئیسہ وہ سب سے پہلا فرد ہوتی تھی جسے وہ ہر بریکنگ نیوز دیتا تھا' کیونکہ گھر میں رئیسہ کے علاوہ اسے کوئی اس جیسا سامع نہیں ملتا تھا جو اس کی ہر بات کو نہ صرف دلچسپی سے سنتا رہتا بلکہ آمنّا و صدقنا کہہ کر اس پر یقین بھی کرلیتا۔

گھر میں اب بچوں کے دو گروپ تھے... جبریل اور عنایہ... سوبر اور سمجھ دار... اور حمین اور رئیسہ ان دونوں کو کس کیٹگری میں ڈالا جاتا یہ مشکل تھا کیونکہ وہ دونوں ایک کیٹگری میں نہیں آتے تھے' حمین بے حد شرارتی اور باتونی تھا... سوالات کی بھرمار کے ساتھ... لیکن اس کے ساتھ ساتھ بے انتہا ذہین... پڑھائی اس کا مسئلہ نہیں تھا۔ اس کے ماں باپ کا مسئلہ تھا... رئیسہ اس کا الٹ تھی... خاموش' مؤدب' سوچ سمجھ کر بولنے والی... لیکن اوسط ذہانت کے ساتھ... وہ فطرت اور عادات کے حساب سے جبریل اور عنایہ کے گروپ میں زیادہ بہتر طور پر ایڈجسٹ ہوتی لیکن ذہانت کے حساب سے اسے کہیں رکھنا ہوتا تو وہ دونوں ہی گروپس میں نہیں رکھی جاسکتی تھی۔ سالار اور امامہ کے تینوں بچوں کے آئی کیو میں انیس بیس کا فرق ہو سکتا تھا مگر ایک اور بیس کا نہیں لیکن ذہانت اور عادات کا فرق ہونے کے باوجود حمین سکندر کے ساتھ اس کا بلا کا اتفاق تھا... وہ دونوں گھر کے چھوٹے تھے اور دونوں اکٹھے رہنا پسند کرتے تھے... جبریل اور عنایہ کی طرح...

رئیسہ اس کی بات آدھی سمجھی تھی' آدھی نہیں سمجھی تھی لیکن اسے تجسس ہوا تھا۔

"نہیں' میں اپ سیٹ نہیں ہوں گی۔" اس نے چند لمحے سوچ کر کہا۔

"گریٹ۔" حمین کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ ایک گناہ سے بھی بچنے والا تھا اور وہ اپنے دل و دماغ کا بوجھ بھی بٹا سکتا تھا۔

"تمہیں پتا ہے' ممی اور پاپا آج کل اپ سیٹ کیوں ہیں؟"

وہ اب بڑے ڈرامائی انداز میں سالار اور امامہ کی ناشتے کی میز پر "پراسرار" خاموشی کا راز فاش کرنے والا تھا۔

"کیوں...؟" رئیسہ کا تجسس بڑھا۔

"دادا کو برین ٹیومر ہو گیا ہے۔"

رئیسہ نے بغیر تاثر کے اس کا چہرہ دیکھا۔ "یہ ایک بیماری ہے' لیکن وہ اس سے مریں گے نہیں۔" اس نے رئیسہ کو سمجھایا۔ رئیسہ کی سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آئی تھی۔

"اوکے۔" اس نے حسب عادت حمین کی بات کے جواب میں کہا اور فراک کی جیب میں پڑی ہوئی وہ چاکلیٹ نکال کر کھانے لگی جو کچھ دیر پہلے حمین نے اسے تھمائی تھی۔

"یہ بہت بڑا سیکرٹ ہے' بلکہ ٹاپ سیکرٹ۔" حمین اسے زیادہ متاثر نہ دیکھ کر اسے متاثر کرنے کی کوشش کی۔

رئیسہ نے چاکلیٹ چباتے چباتے رک کر اسے دیکھا۔ "واؤ..." اس نے متاثر ہونے کی کوشش کی اور حمین بری طرح تپا۔

"میں نے تمہیں ایک بری خبر سنائی ہے اور تم کہہ رہی ہو واؤ..."

رئیسہ چاکلیٹ کھانا بھول گئی۔

"مجھے کیا کہنا تھا؟" وہ خائف ہو گئی تھی۔

حمین دونوں ہاتھ کمر پر رکھے بے حد خفا انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولا۔
"تمہیں کہنا چاہیے تھا۔ اوہ! مائی گاڈ!" حمین نے اپنا معمول کا جملہ پورے تاثرات کے ساتھ اسے رٹانے کی کوشش کی۔
"اوہ!... مائی گاڈ۔" رئیسہ نے اس جملے اور اس کے تاثرات کی نقل اتارنے کی بھرپور کوشش کی۔
"ہاں بالکل اسی طرح۔" حمین نے اس کی پرفارمنس سے مطمئن ہوتے ہوئے جیسے اسے سراہا "تم اب کسی سے بھی یہ سیکرٹ شیئر نہیں کرو گی... اوکے؟" اس نے رئیسہ کو تاکید کی "یاد رکھو لوگوں کو اپ سیٹ کرنا گناہ ہے۔" وہ اسے ہمیشہ کی طرح سبق دے رہا تھا۔
رئیسہ نے ہمیشہ کی طرح سرہلا دیا۔ حمین کی بات آدھی اس کی سمجھ میں آئی تھی آدھی نہیں... لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ حمین اسے اتنی لمبی چوڑی نصیحت نہ بھی کرتا تو بھی رئیسہ اس گھر میں ان چاروں میں سب سے کم بولنے والی تھی... وہ حمین سے بے حد قریب ہونے کے باوجود اس سے بھی گفتگو کا آغاز خود نہیں کر پاتی تھی۔ وہ شرماتی تھی جھجکتی تھی یا عدم اعتماد کا شکار تھی لیکن رئیسہ سالار کے لیے گفتگو کا آغاز کرنا ایک مشکل کام تھا۔ وہ صرف بات کا جواب دیتی تھی' اکسانے پر سوال کرتی تھی لیکن اگر کوئی اسے مخاطب نہ کرتا تو وہ گھنٹوں خاموش بیٹھی رہ سکتی تھی... اپنے کام یا کسی بھی اس کھلونے میں مگن جس کے ساتھ وہ کھیل رہی ہوتی۔
"کار آ گئی..." حمین نے اسے تاکید کرنے کے بعد گیٹ سے نمودار ہونے والے ڈرائیور کو دیکھتے ہوئے پرجوش انداز میں اعلان کیا اور ساتھ اسے متنبہ کیا۔
"یاد رکھو' یہ ایک سیکرٹ ہے۔" حمین نے اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے اپنے ہونٹوں پر ایک انگلی رکھی... پھر اسی ہتھیلی کو مٹھی کی شکل میں بند کیا۔ رئیسہ نے بیگ اٹھانے سے پہلے اس کے ایکشن کی نقل کی پھر حمین نے high-5 کے لیے ہوا میں ہاتھ بلند کیا۔ رئیسہ نے بھی بے حد ایکسائیٹڈ انداز میں اپنے ہاتھ کا پنجہ اس کے ہاتھ سے ٹکراتے ہوئے high Five کیا۔

✡ ✡ ✡

"سالار! کچھ دیر کے لیے یہ سب چھوڑ دو۔" امامہ نے اس رات بالآخر اس سے کہا تھا۔
وہ بہت دیر تک فون پر کسی سے بات کرتا رہا تھا اور ڈنر کے دوران آنے والی اس کال کو لینے کے بعد ڈنر بھول گیا تھا۔ امامہ بہت دیر تک ٹیبل پر اس کا انتظار کرنے کے بعد وقفے وقفے سے اسے دیکھنے بیڈروم میں آتی رہی لیکن اسے مسلسل فون کال میں مصروف دیکھ کر اس نے بالآخر بچوں کو کھانا کھلا دیا اور اب جب وہ بالآخر بیڈروم میں آئی تو سالار فون کال ختم کر رہا تھا۔
کھانے کا پوچھنے پر اس نے انکار کر دیا تھا۔ وہ صوفہ پر بیٹھا اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنی آنکھیں مسل رہا تھا۔ اور بے حد تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ وہ جس کرائسس میں تھا' وہ اس سے بے خبر نہیں تھی لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اسے زیادہ سے زیادہ تسلی ہی دے سکتی تھی لیکن اسے اندازہ تھا کہ اس کی تسلیاں طفل تسلیوں سے زیادہ کچھ نہیں... سالار سکندر کی راتوں کی نیند اگر حرام ہوئی تھی تو اس کی وجوہات یقیناً" سنگین ہی تھیں۔
وہ اور سالار کئی دنوں سے آپس میں بہت کم بات چیت کر پا رہے تھے۔ جو بات چیت ہوتی بھی تو وہ بھی صرف اس کے علاج کے حوالے سے اور امامہ کی زندگی کا مرکز صرف اس کی زندگی ہی رہ گیا تھا۔ وہ کوشش اور جدوجہد کے باوجود اپنے ذہن کو کسی اور چیز میں الجھا نہیں پاتی تھی اور سالار کے پاس کتنا سا میں اپنے ان آخری مہینوں میں

اپنی بیماری کے بارے میں روز بیٹھ کر بات کرنے کے لیے وقت نہیں تھا۔
"کیا چھوڑ دوں؟" وہ آنکھیں مسلتے ہوئے چونکا اور اس کے طرف متوجہ ہوا۔
"کام۔"
"اچھا!" وہ ہنس پڑا۔
"سب کچھ چھوڑ کر صرف اپنے علاج پر توجہ دو... اپنی صحت 'اپنی زندگی پر۔ ہمارے لیے صرف وہ اہم ہے۔" وہ اب جیسے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔
"امامہ! میرے پاس چوائس نہیں ہے اور میرے پاس وقت بھی نہیں ہے کہ ایک وقت میں صرف ایک کام کروں۔" وہ اس کی بات سن کر کچھ لمحوں کے لیے جیسے کچھ بول ہی نہیں پائی۔ وہ کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا تھا۔
"میں ہر طرح سے مشکل میں ہوں آج کل' برے وقت میں نے پہلے بھی دیکھے ہیں لیکن ایسا برا وقت نہیں کہ جس چیز کو بھی ہاتھ لگاؤں ریت ہو جائے۔"
وہ سر جھکائے کہہ رہا تھا... امامہ کی آنکھیں نم ہونے لگیں... وہ کئی ہفتوں سے لگاتار رو رہی تھی۔ اس کے باوجود آنکھوں کا پانی ختم ہی نہیں ہوتا تھا۔ وہ کنواں ہی بن گئی تھیں۔
"گناہ گار تو ہوں میں... ہمیشہ سے ہوں۔ گمان اور غرور تو کبھی نہیں کیا میں نے اگر کیا بھی تو توبہ کرلی... لیکن پتا نہیں کیا گناہ کر بیٹھا ہوں کہ یوں پکڑ میں آیا ہوں۔"
"آزمائش ہے سالار... گناہ کی سزا کیوں سمجھ رہے ہو؟" امامہ نے اس کی کلائی پر ہاتھ رکھا۔
"کاش آزمائش ہی ہو اور ختم ہو جائے' نہ ختم ہونے والی سزا نہ ہو۔" وہ بڑبڑایا تھا۔
"تمہارے پاس کتنی سیونگز ہیں؟" اس نے بات کرتے کرتے موضوع بدل دیا۔
"میرے پاس؟" وہ الجھی... "پتا نہیں... پاکستان میں بینک میں کافی رقم ہوگی۔ شادی سے پہلے کی بھی تھی' بعد میں بھی جمع کرواتی رہی لیکن مجھے اماؤنٹ نہیں پتا... تمہیں ضرورت ہے کیا؟" اس نے یک دم سالار سے پوچھا۔
"نہیں... مجھے ضرورت نہیں ہے لیکن تمہیں شاید اب اسے استعمال کرنا پڑے بچوں کے لیے۔ یہاں سے پاکستان جاؤ گے تو وہاں کتنا عرصہ پاپا کے پاس تمہیں بچوں کے ساتھ ٹھہرنا پڑے' مجھے ابھی اندازہ نہیں... چند مہینے ٹھہرنا پڑتا ہے یا چند سال' مجھے نہیں پتا۔" وہ آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔
"وہاں پاپا کے پاس بچوں کی تعلیم کم از کم متاثر نہیں ہوگی... امریکہ میں میں فی الحال تم سب کو رکھنا افورڈ نہیں کر سکتا' خاص طور پر اب جب میری جاب ختم ہو رہی ہے اور میں اپنے ادارے کو لانچ کرنے کے پروسس میں بھی بے حد مسائل کا شکار ہوں اور اس پر یہ ٹیومر... ورلڈ بینک کی جاب کے ساتھ میڈیکل انشورنس بھی ختم ہو جائے گی جو امریکہ میں میری ہیلتھ انشورنس ہے' وہ کینسر ٹریٹمنٹ کور نہیں کرتی۔"
سالار نے ایک گہرا سانس لیا۔
"اس لیے میری سمجھ میں ہی نہیں آرہا کہ میں کیا چیز کروں اور کیا نہیں۔"
"سالار! تم اس وقت صرف ایک چیز پر دھیان دو... اپنے آپریشن اور علاج پر... باقی ساری چیزیں ہو جائیں گی' بچوں کی تعلیم۔ تمہارا ادارہ... سب کچھ... اور پیسوں کے بارے میں پریشان مت ہو۔ بہت کچھ ہے میرے پاس جو بیچا جاسکتا ہے..."
سالار نے اسے ٹوک دیا۔ "نہیں' کوئی بھی چیز میں اب نہیں بیچوں گا۔ تمہارے پاس یہ سب کچھ ہونا چاہیے۔ میں گھر نہیں دے سکا تمہیں۔ تو کچھ تو ہونا چاہیے تمہارے پاس کہ۔"
امامہ نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ "اب اس سے آگے کچھ مت کہنا... مجھ سے یہ مت کہنا کہ میں

مستقبل کا سوچوں۔۔۔ یہ سب کچھ میرے پاس ہو اور تم میرے پاس نہ ہو تو میں مستقبل کا کیا کروں گی۔"
پانی اس کے گالوں پر کسی آبشار کی طرح گر رہا تھا۔
"مستقبل کچھ بھی نہیں ہے سالار۔۔۔! جو ہے بس حال ہے۔ آج ہے آنے والا کل نہیں۔۔۔ پڑھ لکھ جائیں گے بچے۔۔۔ بہت اعلیٰ اسکولز میں نہیں بھی تو بھی۔۔۔ میں نے سوچنا چھوڑ دیا ہے کل کے بارے میں۔" وہ روتی رہی تھی۔
"تمہیں پتا ہے امامہ! مجھے کس چیز کا رنج سب سے زیادہ ہے؟"
"سالار نے بات بدلنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے آنسوؤں کو روکنے کے لیے وہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ "تم ٹھیک کہتی تھیں کہ میں نے اپنی زندگی کا بہترین وقت سود پر کھڑے اداروں کے لیے کام کرتے کرتے گزار دیا۔ صرف کچھ سال پہلے میں نے کام کرنا شروع کیا ہوتا اپنے ادارے کے لیے تو آج یہ ادارہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو چکا ہوتا۔۔۔ مجھے یہ بیماری تب ہوئی ہوتی تو مجھے یہ رنج نہ ہوتا کہ میں اپنے کیے کا ازالہ نہیں کر سکا۔ یہ بہت بڑا پچھتاوا ہے میرا۔۔۔ جو کسی طوق کی طرح میری گردن میں لٹکا ہوا ہے۔" وہ بے حد رنجیدہ تھا۔
"تم کیوں سوچ رہے ہو ایسے ہم کوشش تو کر رہے ہو۔۔۔ محنت تو کر رہے ہو۔ اپنی غلطی کا ازالہ کرنے کی کوشش تو کر رہے ہو۔۔۔" وہ اس کی باتوں پر جیسے تڑپ اٹھی تھی۔
"ہاں، لیکن اب بہت دیر ہو گئی ہے۔"
"تم امید چھوڑ بیٹھے ہو؟"
"نہیں۔ امید تو نہیں چھوڑی لیکن۔۔۔" وہ بات کرتے کرتے ہونٹ کاٹنے لگا "مجھے کبھی یہ لگا ہی نہیں تھا کہ وقت تھوڑا رہ گیا ہے۔ جب تک سب کچھ ٹھیک رہتا ہے۔ ہمیں لگتا ہے ہمارے پاس بہت وقت ہے۔ ہر کام کر لیں گے۔ ہر کام ہو جائے گا۔۔۔ ہم وہ سارے کام پہلے کر لینا چاہتے ہیں جو ہمارے نفس کو پسند ہیں وہ سارے کام زندگی کے آخری حصے کے لیے رکھ چھوڑتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ میں بھی مختلف نہیں تھا۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا۔۔۔"
سالار اپنے ہاتھ مسل رہا تھا بے حد رنج کے عالم میں۔
"قرآن کہتا ہے نا کہ جب انسان جزا سزا کے لیے روز قیامت اللہ کے سامنے پیش ہو گا تو وہ پکار پکار کر کہے گا کہ اے میرے رب! مجھے ایک بار دوبارہ دنیا میں لوٹا دے۔ ایک موقع اور دے اور اس بار میں تیری اطاعت کروں گا۔۔۔ گناہ سے دور رہوں گا۔۔۔ مجھ سے بہتر کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ وہ روز قیامت کیسی ہو گی وہ ایک بار پھر دنیا میں لوٹا دینے کی پکار کیسی ہو گی۔ وہ ایک موقع اور مانگنے کی التجا کیا ہو گی۔"
اس کی آواز بھرا گئی تھی۔
"ایک بار میں نے مارگلہ کی پہاڑی پر ایک درخت سے بندھے آدھی رات میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ مجھے ایک موقع دے کہ میں گناہوں سے تائب ہو جاؤں۔ میں وہ نہ کروں جو کچھ میں کرتا رہا ہوں۔۔۔ اللہ نے مجھے موقع دیا اور میرا خیال تھا کہ میں سب گناہوں سے تائب ہو گیا۔ ایسا نہیں تھا۔ میں چھوٹے گناہوں سے تائب ہو کر بڑے گناہوں میں پھنس گیا تھا۔۔۔ اب ایک موقع میں اللہ تعالیٰ سے اور مانگنا چاہتا ہوں لیکن مجھ میں ہمت ہی نہیں۔۔۔ مجھے اللہ سے بہت شرم آنے لگی ہے۔"
سالار اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے ہنس پڑا تھا۔
"اب میں صرف اللہ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ وہ میری زندگی نہیں صرف مجھے اس کام کی تکمیل کر لینے دے۔ جو میں کرنا چاہتا ہوں اور اگر یہ کام میں نہ کر سکا تو پھر میری دعا ہے کہ یہ کام میری اولاد پایہ تکمیل تک پہنچائے اگر میں

نہ رہا تو پھر تم جبریل کو ایک اکانومسٹ ...."

امامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کیوں سوچتے ہو تم ایسے۔"

"سوچنا چاہیے امامہ۔"

"تم ہی کرو گے یہ کام سالار ... !کوئی اور نہیں کر سکے گا ... تمہاری اولاد میں سے بھی کوئی نہیں ... ہر کوئی سالار سکندر نہیں ہوتا۔"

وہ شاید زندگی میں پہلی بار اعتراف کر رہی تھی۔ اس کے غیر معمولی ہونے کا ... اس کے خاص ہونے کا ... اس کے تمام اعترافات اور اظہار ندامت کے باوجود ... اس کی زندگی کے ہر نشیب و فراز سے واقف ہونے کے باوجود اسے یہ ماننے میں معمولی سا بھی شائبہ نہیں تھا کہ اس کا شوہر عام انسان نہیں تھا۔

سالار نے اس رات اس سے بحث نہیں کی تھی۔ اس کی اپنی ہمت جتنی ٹوٹی ہوئی تھی۔ وہ امامہ کی ہمت اس طرح توڑنا نہیں چاہتا تھا۔ ایک ہفتے بعد اسے ایک اور چیک اپ اور ٹیسٹ کے لیے امریکہ جانا تھا اور وہ مزید کسی بری خبر کے لیے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار بھی کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ممی! میں آپ کو سیب کاٹ کر لا کر دوں؟"

امامہ جبریل کی بات پر حیران ہوئی تھی گھر کے سامان کی پیکنگ کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور وہ ہر روز تھوڑا تھوڑا سامان پیک کر کے اسٹور کرتی جا رہی تھی۔ اس وقت بھی وہ گھر کے ایک کمرے میں اسی کام میں مصروف تھی جب جبریل نے اس کا ہاتھ بٹاتے بٹاتے یک دم اس سے کہا تھا۔ امامہ کی حیرانی بجا تھی ... پھل کاٹ کر کھلانے کی آفر حمین کی طرف سے "تو نارمل" بات تھی لیکن جبریل اس طرح کے کام نہیں کرتا تھا نہ ہی وہ خود پھل کھانے کا شوقین تھا۔

"نہیں ... تم کھانا چاہ رہے ہو تو میں تمہیں کاٹ دوں؟" امامہ نے جواباً اسے آفر کی۔

"نہیں۔" جبریل نے جواب دیا۔ وہ اس کمرے کی کھلی ہوئی وارڈ روب سے کپڑے نکال نکال کر امامہ کے قریب بیڈ پر رکھ رہا تھا جنہیں امامہ ایک بیگ میں رکھ رہی تھی۔ وہ شاید اتنے مہینوں میں پہلا موقع تھا جب امامہ کو تشویش ہوئی تھی۔ اس کے بچے اس کی پریشانی اور تکلیف کو محسوس کرنا شروع ہو گئے تھے اور یہ کوئی اچھی علامت نہیں تھی کئی مہینوں کے بعد اس نے جبریل کو غور سے دیکھا تھا ... وہ ایک دو مہینے میں دس سال کا ہونے والا تھا اور وہ دس سال کا ہونے کے باوجود اپنے قد کاٹھ سے دس سال سے بڑا لگتا تھا۔ وہ شکل و صورت میں سالار کی نسبت اس سے زیادہ مشابہت رکھتا تھا اور حمین سالار سے ... لیکن اس کے دونوں بیٹوں کی آنکھیں سالار کی طرح تھیں ... بڑی گہری۔ ذہانت سے چمکتی ہوئی ... کوئی اگر کسی اور چیز سے نہیں تو آنکھوں سے یہ ضرور پہچان لیتا کہ وہ سالار سکندر کی اولاد تھے۔

"آپ ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں؟" جبریل نے ماں کی نظریں خود پر مبذول پا کر پوچھا تھا۔ وہ مسکرا دی۔

"تم بڑے ہو گئے ہو۔" جبریل نے کچھ جھینپ کر ماں کو دیکھا پھر ایک شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ ماں سے کہا۔

"تھوڑا سا۔"

"ہاں۔ تھوڑے سے ... جلد ہی پورے بڑے بھی ہو جاؤ گے۔" وہ بیڈ پر پڑے کپڑے اٹھاتے ہوئے اس سے بولی۔

"لیکن میں بڑا ہونا نہیں چاہتا۔" بیگ میں کپڑے رکھتے ہوئے امامہ نے اسے کہتے سنا وہ وارڈ روب کی ایک اور

شیلف خالی کر رہا تھا۔

"کیوں؟" اسے۔۔۔ اچنبھا ہوا۔

"ایسے ہی۔" اس نے بڑے عام سے انداز میں ماں سے کہا۔

وہ پہلا موقع تھا جب امامہ کو اس کا انداز عجیب الجھا ہوا محسوس ہوا۔ اس گھر میں صرف وہ نہیں تھے جو پریشان تھے۔۔۔ ان کی سب سے بڑی اولاد بھی ایسی ہی پریشانی سے گزر رہی تھی لیکن اس پریشانی کی نوعیت کو امامہ تب بوجھ نہیں سکی تھی۔ وہ اسے صرف ایک ردِعمل سمجھی تھی۔۔۔ جبریل پہلے بھی ماں کے حوالے سے بے حد حساس تھا۔ اسے کوئی بھی پریشانی ہوتی تو وہ سب سے پہلے محسوس کر لیتا تھا۔ پھر وہ ماں سے کریدے بغیر نہیں رہتا تھا۔۔۔ یہ اس کی فطرت کا حصہ تھا۔

امامہ نے اس پھل کاٹنے کی آفر کو بھی اسی تشویش کا حصہ سمجھا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ کوئی بھی اسے ان دنوں دیکھ کر یہ اندازہ لگائے بغیر نہیں رہ سکتا تھا کہ وہ پریشان تھی۔۔۔ دنوں میں اس کی گرتی ہوئی صحت' اس کے آنکھوں کے سیاہ حلقے اور اس کی اکثر رونے کی وجہ سے سرخ اور سوجی رہنے والی آنکھیں کسی کو بھی اس کی ذہنی اور جذباتی حالت کا پتا دے سکتی تھیں اس لیے جبریل اگر کوئی اندازہ لگا رہا تھا تو یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔

وہ کچھ الجھتی سوچتی ہوئی اسی طرح سامان پیک کرتی رہی اور وقفے وقفے سے سامان لا کر رکھتے ہوئے جبریل کو دیکھتی رہی پھر جیسے اسے خیال آیا تھا کہ اسے جبریل کو اپنے حوالے سے کوئی تسلی اور دلاسا دینا چاہیے تھا اس کی تشویش کو کم کرنے کے لیے۔

"جبریل! میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اسے یہ جملہ بولتے ہی اس جملے کے ہلکے پن کا احساس ہو گیا تھا۔ جبریل نے وارڈروب کے پاس کھڑے کھڑے یک دم جیسے پلٹ کر ماں کو دیکھا اور پھر بے حد سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے پتا ہے۔"

امامہ اس سے نظریں چرا گئی تھی۔ جبریل نے جیسے ماں کا پردہ رکھا تھا۔۔۔ وہ ماں کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتا تھا نہ ہی اس سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ کئی دنوں کے بعد' ان دونوں کو ایک دوسرے سے بات چیت کا موقع مل رہا تھا۔

ایک بار پھر سے وہ دونوں کام میں مصروف ہو گئے تھے اور تب ہی کام کرتے کرتے امامہ نے پہلی بار کمرے کی خاموشی کو محسوس کیا۔ وہ دونوں اتنی دیر سے کام کر رہے تھے لیکن ان کے درمیان بہت کم جملوں کا تبادلہ ہوا تھا۔ معمول میں ایسا نہیں ہوتا تھا اسے اور جبریل کو جب بھی اکیلے کچھ وقت گزارنے کا موقع ملتا تھا۔ وہ دونوں بہت اچھی گپ شپ کرتے تھے۔ جبریل اسے اسکول کی بہت سی باتیں سناتا۔۔۔ اپنے دوستوں کے بارے میں۔۔۔ ٹیچرز کے بارے میں۔۔۔ وہ باتونی نہ ہونے کے باوجود ایسے مواقع پر ماں سے بہت کچھ شیئر کرتا تھا۔۔۔ آج پہلا موقع تھا کہ چھوٹے بہن بھائیوں کی عدم موجودگی میں بھی وہ اتنا خاموش تھا۔

امامہ کی چھٹی حس نے ایک عجیب سا سگنل دیا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ سب کچھ جانتا تھا۔ یہ ممکن نہیں تھا لیکن ناممکن بھی نہیں تھا۔

"جبریل!"

"جی ممی۔" وہ اس کے مخاطب کرنے پر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ سوال کرتے کرتے رہ گئی۔۔۔ کیا پتا یہ اس کا واہمہ ہی ہو وہ واقعی بے خبر ہو اور اگر وہ بے خبر تھا تو اس سے یہ سوال کرنا۔۔۔ وہ بات بدل گئی۔

"تمہارا قرآن پاک ختم ہونے والا ہے۔ بس تھوڑے ہی دن میں۔۔۔ پھر ماشاء اللہ تم حافظ قرآن ہو جاؤ گے۔۔۔ تم نے قرآن پاک سے ابھی تک کیا سیکھا؟" وہ گفتگو کو اس موضوع پر لے آئی جس پر وہ اکثر اس سے بات کرتی تھی۔

وہ اب وارڈروب کی ایک دراز خالی کرنے والا تھا۔۔۔ ماں کے سوال پر کام کرتے کرتے ٹھٹک گیا۔

"بہت ساری چیزیں ہیں۔ اس نے ذرا سا سوچ کر ماں سے کہا۔

"لیکن اگر کوئی ایک چیز ہو جو تمہیں سب سے امپورٹنٹ بھی لگتی ہو اور سب سے اچھی بھی..." وہ مطمئن تھی ان دونوں کے درمیان بات چیت شروع ہو گئی تھی۔

"آپ کو پتا ہے مجھے کیا چیز سب سے امپورٹنٹ لگتی ہے قرآن پاک میں؟" وہ بھی اب بے حد دلچسپی سے بات کرنے لگا تھا۔

"کیا؟" "Hope - (امید)"

امامہ اس کا منہ دیکھنے لگی "کیسے؟" پتا نہیں اس نے کیوں پوچھا تھا لیکن جواب وہ ملا تھا جس نے کسی مرہم کی طرح اس کے زخموں کو ڈھانپا تھا۔

"دیکھیں سارا قرآن ایک دعا ہے تو دعا hope (امید) ہوتی ہے نا... ہر چیز کے لیے دعا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے نا کہ اللہ ہر مشکل میں ہمیں امید بھی دے رہا ہے... یہ مجھے سب سے اچھی چیز لگتی ہے قرآن پاک کی... کہ ہم کبھی hopeless (ناامید) نہ ہوں۔ کوئی گناہ ہو جائے تب بھی اور کوئی مشکل پڑے تب بھی... کیونکہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔" اس کا دس سالہ بیٹا بے حد آسان الفاظ میں اسے وہ چیز تھما رہا تھا جو اس کے ہاتھ سے چھوٹ چکی تھی... جو باتیں دانائی سمجھا نہیں پاتی، وہ معصومیت سمجھا دیتی ہے۔

جبریل بات کرتے کرتے رک گیا اس نے امامہ کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک دیکھی۔

"کیا میں نے کچھ غلط کہہ دیا؟" اس نے یک دم بے حد محتاط ہوتے ہوئے ماں سے پوچھا۔

امامہ نے نم آنکھوں اور مسکراہٹ کے ساتھ نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں تم نے بالکل ٹھیک کہا اور تم نے بالکل ٹھیک چیز چنی۔"

وہ اب دوبارہ پیکنگ کرنے لگی تھی اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے اور اس سے پوچھتے ہوئے کہ اس نے اور کیا چیز سیکھی قرآن پاک سے۔

☆ ☆ ☆

"آپ بے حد خوش قسمت ہیں کہ آپ کو اپنے ٹیومر کے بارے میں اتفاقی طور پر پتا چلا۔ ان اثرات سے پتا نہیں چلا جو ٹیومر کی وجہ سے جسم پر ہونا شروع ہو چکے ہوتے ہیں۔" امریکہ میں ایک اور ٹیسٹ کے بعد وہاں کے ایک بہترین نیورو سرجن نے سالار سکندر کو "خوش خبری" دی تھی جو صرف اس کے نزدیک خوش خبری تھی۔

"دو ٹیومر ہیں... ایک بے حد چھوٹے سائز کا اور کچھ بڑا لیکن دونوں فی الحال اس اسٹیج پر ہیں کہ انہیں سرجری کے ذریعے ختم کیا جا سکتا ہے بغیر کوئی زیادہ نقصان ہوئے۔" وہ اب رپورٹس اور ٹیسٹوں کے بعد اس کے آپریشن کے حوالے سے صورت حال کو ڈسکس کر رہا تھا۔

"اور کم سے کم نقصان کیا ہے، جو ہو سکتا ہے۔" سالار نے اسے ٹوکا۔

"نیورو سرجری ایک خطرناک سرجری ہے جس جگہ یہ دونوں ٹیومرز ہیں وہ جگہ بھی بہت نازک ہے... آپ کا دماغ متاثر ہو سکتا ہے... آپ کی یادداشت متاثر ہو سکتی ہے... اعصاب پر اثر پڑ سکتا ہے... جس کے نتیجے میں آپ کو رعشہ کا مرض لاحق ہو سکتا ہے۔ کبھی کبھار مرگی کا حملہ ہو سکتا ہے۔ آپ کی نظر متاثر ہو سکتی ہے۔" وہ ڈاکٹر یوں مضر اثرات کو دہرا رہا تھا جیسے کسی ہوٹل کا ویٹر مینو کارڈ دیکھے بغیر بھی وہاں ملنے والے کھانوں کی فہرست پڑھ رہا ہو۔

"اور میں سرجری نہ کرواؤں تو؟" سالار نے اس سے پوچھا۔

"کچھ عرصہ آپ سرجری کے بغیر گزار سکتے ہیں کیونکہ میں نے آپ کو بتایا ہے' ابھی ان ٹیومرز نے آپ کے دماغ اور جسم کو متاثر کرنا شروع نہیں کیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد ایسا ہونا شروع ہو جائے گا اس وقت سرجری بے حد خطرناک ہو جائے گی۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ یہ چھوٹا ٹیومر فوری طور پر remove کروالیں کیونکہ یہ ذرا بھی بڑا ہوا تو آپ کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔۔۔ دوسرے ٹیومر کو دواؤں اور دوسرے طریقوں سے کنٹرول کیا جا سکتا ہے کہ اس کے بڑھنے کو مکمل طور پر روک دیا جائے۔" ڈاکٹر غیر جذباتی انداز میں اسے بتا رہا تھا۔

وہ بھی غیر جذباتی انداز میں یہ اندازے لگانے میں مصروف تھا کہ وہ سرجری کے بغیر کتنا عرصہ نکال سکتا تھا۔

"چھ سات ماہ۔۔۔ لیکن میں یہ advise نہیں کروں گا کہ آپ اسے زیادہ delay (دیر) کریں۔۔۔ جو میڈیسنز آپ استعمال کر رہے ہیں' وہ اس سے زیادہ مدد نہیں کر سکیں گی آپ کی۔۔۔" سالار سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

ایک مہینے کے بعد اسے کنشاسا چھوڑ کر پاکستان چلے جانا تھا۔۔۔ اس کے تین مہینے کے بعد اسے اپنا ادارہ لانچ کرنا تھا لیکن اس سے بھی زیادہ اہم اس کے لیے یہ تھا کہ وہ ورلڈ بینک کی جاب چھوڑنے کے فوری بعد ایک بار پھر سے اپنے ادارے کے لیے فنڈز پول کرنے کی کوشش کرتا اور ایک بار ادارہ لانچ ہو جاتا تو اس کے فوراً" بعد وہ سرجری کے لیے بھی نہیں جا سکتا تھا کیونکہ اسے اس وقت بہت زیادہ کام کرنے کی ضرورت تھی اور وہ بھی سامنے آکر۔۔۔ وہ غائب نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا دھچکا ہوتا اس کے ادارے کے لیے' خاص طور پر تب اگر خدانخواستہ اس کی سرجری ٹھیک نہ رہتی۔۔۔ وہ چھ سات ماہ کے بعد سرجری نہیں کروا سکتا تھا اور وہ فوری طور پر سرجری کروانے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔

تین دن کے بعد کنشاسا واپس آنے پر اس نے امامہ کو یہ ساری صورت حال بتا دی تھی۔ وہ اس کے مخمصے اور الجھن کو سمجھ پا رہی تھی مگر کوئی حل وہ بھی اسے نہیں دے پا رہی تھی۔

اور حل ایک بار پھر جبریل نے ہی دیا تھا۔ سالار اس رات اتفاقی طور پر کسی کام سے لاؤنج میں نکلا تھا جب اس نے دروازہ کھولتے ہی جبریل کو ڈیسک ٹاپ کے سامنے بیٹھا دیکھ لیا تھا۔ سالار کے یک دم رات گئے وہاں آنے پر اس نے برق رفتاری سے وہ سب کچھ بند کرنا شروع کیا تھا جو سائٹس وہ کھولے بیٹھا تھا۔ مگر وہ کمپیوٹر بند نہیں کر سکتا تھا۔

"تم کیا کر رہے ہو جبریل؟" سالار نے لاؤنج کے وال کلاک پر دو بجے کا وقت دیکھا تھا۔

"کچھ نہیں بابا! مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں کارڈز کھیل رہا تھا۔" جبریل نے ڈیسک ٹاپ پر شٹ ڈاؤن کو کلک کرتے ہوئے باپ سے کہا اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے جیسے کھڑے ہوتے ہوئے ڈیسک ٹاپ کو اپنے عقب میں چھپا لیا تھا یوں جیسے اسے خدشہ تھا کہ باپ تاریک سکرین میں سے بھی یہ بوجھ لے گا کہ وہ کیا کر رہا تھا۔

وہ جواب اگر حمین دیتا تو سالار کی سمجھ میں آ سکتا تھا لیکن جبریل کی زبان سے وہ جواب بے حد غیر معمولی تھا۔ وہ اس کے بچوں میں سب سے زیادہ نظم و ضبط کا پابند تھا۔ آدھی رات کو ڈیسک ٹاپ پر بیٹھ کر کارڈز کھیلنے والا بچہ نہیں تھا۔

سالار نے بے حد نارمل گفتگو کرتے ہوئے کرسی پر بیٹھ کر ڈیسک ٹاپ آن کر لیا تھا۔ جبریل کا رنگ فق ہو گیا۔

"نیند کیوں نہیں آ رہی تمہیں؟" سالار نے کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے ہوئے اپنے بیٹے کو دیکھا جو اس کے اتنا قریب کھڑا تھا کہ وہ اس کی آنکھوں میں جھانک سکتا تھا اور وہ دیکھ سکتا تھا کہ اس کا بیٹا گھبرایا ہوا تھا۔ تو انٹرنیٹ پر وہ کون سی ایسی چیزیں دیکھ رہا تھا کہ اس کے چہرے کا رنگ یوں فق ہو گیا تھا۔

سالار کے اپنے پیروں کے نیچے سے بھی اس وقت زمین نکل گئی تھی۔ یہ تو پتا تھا اسے کہ وہ بیٹوں کا باپ تھا اور اس کے بیٹے بڑے ہو رہے تھے اور کبھی نہ کبھی ان کی بلوغت کے دوران اسے ایسی ناخوشگوار صورت حال کا سامنا

بھی کرنا پڑ سکتا تھا۔ وہ پرانی سوچ اور اقدار رکھنے والا باپ نہیں تھا۔ جس کے پاس غلطی کی گنجائش ہی نہیں ہوتی تھی۔۔۔ وہ لبرل تھا۔ اس کے باوجود وہ ہل گیا تھا کیونکہ اس کا بیٹا ابھی صرف دس سال کا تھا اور حافظ قرآن بن رہا تھا۔

"پتا نہیں۔" جبریل نے اس کی بات کا مختصر جواب دیتے ہوئے کمر کے پیچھے ہاتھ باندھ لیے۔ اپنے ہاتھوں کی کپکپاہٹ کو باپ کی نظروں سے چھپانے کے لیے اس سے زیادہ اچھا طریقہ کوئی اور نہیں تھا۔ باپ یہ ظاہر نہیں کر رہا تھا کہ وہ اس پر شک کر رہا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ اس وقت اس ڈیسک ٹاپ کو آن کرنے کا مقصد کیا ہو سکتا تھا۔

"تم روز دیر سے سوتے ہو؟" سالار نے اگلا سوال کیا۔

"جی۔" جبریل نے اب جھوٹ نہیں بولا تھا۔"

روز نیند نہیں آتی اور ڈیسک ٹاپ پر کارڈز کھیلتے ہو؟" سالار نے اگلا سوال اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کیا تھا۔

"جی۔" اس نے جیسے بالکل ہی ہتھیار ڈال دیے تھے۔

ڈیسک ٹاپ آن ہو چکا تھا۔ سالار ہوم پیج کھول چکا تھا۔۔۔ مزید کوئی سوال کیے بغیر اس نے وزٹ کیے جانے والے پیجز اور سائٹس کی، ہسٹری کھول لی تھی' وہاں گیمز کا نام شامل نہیں تھا مگر ایک سرسری نظر نے بھی سالار کو منجمد کر دیا تھا۔ اس کا بیٹا جو کچھ وزٹ کر رہا تھا۔ وہ اسے اس سے چھپانے کے لیے سر توڑ کوشش کرتا پھر رہا تھا۔

oligodendroglioma۔۔۔ وہ ایک سرسری نظر میں بھی ان سارے پیجز میں چمکنے والا یہ لفظ پہچان سکتا تھا۔۔۔ وہ ان میں سے کسی پیج کو کلک کرنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ اس نے گردن موڑ کر جبریل کو دیکھا جس کا سانس رکا ہوا اور رنگ فق تھا۔۔۔ "تم میری بیماری کے بارے میں جانتے ہو؟"

یہ سوال کیے بغیر بھی وہ اس سوال کا جواب جانتا تھا۔ جبریل کی آنکھیں سیکنڈز کے ہزارویں حصے میں پانی سے بھری تھیں اور اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ایک عجیب خاموشی کا وقفہ آیا تھا۔ جس میں باپ اور بیٹا ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتے رہے پھر سالار نے اپنے اس دس سالہ بیٹے کو ہاتھ بڑھا کر اپنے گلے سے لگاتے ہوئے گود میں بٹھا لیا۔

جبریل کے آنسو گالوں پر بہنے لگے تھے سالار نے اسے بچپن میں تو کبھی روتے دیکھا تھا لیکن اب بہت عرصے سے نہیں۔ وہ اسے پچھلے کچھ عرصہ سے "بڑا" سمجھنے لگا تھا اور وہ بڑا اب چھوٹے بچوں کی طرح اس کی گود میں منہ چھپا کر رو رہا تھا۔ اتنے مہینوں سے وہ راز جو اس کی معصومیت کو گھن کی طرح کھا رہا تھا۔ آج افشا ہو گیا تھا۔

"بابا۔۔۔ بابا" وہ اس کے سینے سے لگا ہوا سسک رہا تھا۔

"I don't want you to die" (میں آپ کو مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا) اور یہی وہ لمحہ تھا جب سالار سکندر کے دل سے ہر خوف ختم ہو گیا تھا۔ اسے آپریشن کروانا تھا۔۔۔ فوری طور پر۔۔۔ وہ اپنے خاندان کو اس طرح موت اور زندگی کی امید کے درمیان لٹکا نہیں سکتا تھا۔۔۔ جو بھی ہونا تھا' ہو جانا چاہیے تھا۔

"اوکے۔۔۔ I won't۔۔۔" اس نے اپنے بیٹے کا سر چومتے ہوئے اس سے کہا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)